اخبار الرایہ

شمارہ نمبر 583

(21-جنوری-2026)

(عربی سے ترجمہ)

امریکی قومی سلامتی کی حکمتِ عملی کی دستاویز............2
یمنی مسئلے کو اس قدر شدید حد تک بحران زدہ بنانے کے پیچھے کیا عوامل کار فرما ہیں؟............11
مسلمانوں کے اہلِ قوت اور اثر و رسوخ رکھنے والے حضرات کے نام............20
اے اہل یمن سفینۂ نجات (کامیابی کی کشتی) کی طرف آجاؤ!............22
سوڈان میں نظام کے سیکورٹی اداروں نے حزب التحریر کے 9 نوجوانوں کو گرفتار کر لیا............24
منتخب انصاف جو ایک بار پھر ظلم کو جنم دے رہا ہے!............26
اردن اور پاکستان کے درمیان دفاعی تعاون: خدوخال اور سوالات............30
حزب التحریر / ولایہ اردن کا میڈیا آفس: سیمینار "بنیادی حل اور امت کا فیصلہ کن مسئلہ"............33
خلافت دورِ حاضر کی ٹیکنالوجی اور سٹریٹجک صلاحیتوں کے ساتھ چلنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے............35
غزہ کی پٹی کا المیہ: نئی نسل کے شعور کے خلاف جاری جنگ اور میڈیا کا میدان............37
خلافت کے انہدام کی یاد: شعور کا سبق اور بیداری کی سنت............40

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ "کیا خلافت یہ سب کچھ کر سکتی ہے؟ کیا یہ فتح حاصل کر سکتی ہے اور شکست کی صورتِ حال کو دور کر سکتی ہے؟ کیا یہ مسلم علاقوں کو کافر استعمار سے آزاد کرا سکتی ہے اور یہاں تک کہ ان کے اپنے ٹھکانوں تک ان کا پیچھا کر سکتی ہے؟"۔ ہم کہتے ہیں، "جی ہاں! ہمارا رب، جو بلند و برتر ہے، یہ فرماتا ہے، ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا" (سورۃ محمد، آیت 7)۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے نصرت کا حصول اُس اسلامی ریاست کے قیام سے مشروط ہے جو اس کے شرعی قوانین کو نافذ کرے۔ جب یہ قائم ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے فتح عطا فرماتا ہے۔ یہ مضبوطی سے قائم اور طاقتور ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے دوست اس کا احترام کرتے ہیں اور اس کے دشمن اس سے ڈرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ» "امام (خلیفہ) ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر لڑا جاتا ہے اور جس کے ذریعے تحفظ حاصل ہوتا ہے" (بخاری)۔ خلیفہ اور خلافت ایک ڈھال ہے، ایک تحفظ ہے۔ اور جس کے پاس ڈھال ہو گی، وہ اللہ کے حکم سے فتح یاب ہو گا؛ اس کی علاقے ضائع نہیں ہوں گے، اور اس کے دشمن اس کے قریب نہیں آئیں گے

اداریہ

امریکی قومی سلامتی کی حکمتِ عملی کی دستاویز

سوال:

5 دسمبر 2025 کو ٹرمپ نے عوامی سطح پر امریکی قومی سلامتی کی نئی حکمتِ عملی کی 33 صفحات پر مشتمل دستاویز کا اعلان کیا۔ اس دستاویز اور اس سے پہلی دستاویزات، مثلاً بائیڈن کی حکمتِ عملی، میں کیا فرق ہے؟

جواب:

ان دستاویزات پر غور و خوض اور گہری نظر ڈالنے سے ہمیں ریپبلکن ٹرمپ کی 2017 اور 2025 میں شائع شدہ قومی سلامتی کی حکمتِ عملی کی دستاویزات، یا 1988 میں ریگن، 1990 میں بش سینئر، 2002 میں بش جونیئر کی جانب سے جاری کردہ دستاویزات، اور ڈیموکریٹک صدور؛ 1994 اور 1998 میں کلنٹن، 2010 اور 2015 میں اوباما اور 2022 میں بائیڈن کی جانب سے اعلان کردہ دستاویزات کے درمیان اصل اور جوہر کے اعتبار سے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ واحد فرق صرف اسلوب اور استعمال شدہ زبان کا ہے اور بس؛ ان سب کا مقصد عالمی سطح پر امریکی بالا دستی کو برقرار رکھنا اور

اسے مستحکم کرنا ہے۔ جہاں ریپبلکنز بغیر کسی لگی لپٹی یا گھماؤ پھراؤ کے اور نہایت بے باکی سے دنیا میں امریکی قیادت کا اظہار کرتے ہیں، وہیں ڈیموکریٹس اسے پرکشش اور دھوکہ دہی پر مبنی الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی گمراہ کن باتوں کے ذریعے اور کبھی لفاظی اور چرب زبانی کے ذریعے۔ میں اس جواب میں، جیسا کہ سوال میں پوچھا گیا ہے، حکمتِ عملیوں کے درمیان پائے جانے والے فرق پر توجہ مرکوز کروں گا بجائے اس کے کہ ان کی تفصیلات میں جاؤں، سوائے اس حد تک جو بائیڈن اور ٹرمپ کی حکمتِ عملی کے فرق کو واضح کرنے کے لیے مناسب ہو۔ اس کی وضاحت کے لیے میں کہتا ہوں (اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے):

1- ہم نے 18 نومبر 2016 کو جو 'سوال وجواب' جاری کیا تھا اس میں درج ذیل بات کہی گئی تھی: "...امریکی پالیسی کے بنیادی خطوط ریپبلکن پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی کے درمیان مختلف نہیں ہیں، بلکہ صرف طریقے (اسلوب) مختلف ہیں۔ اس کی وجہ دونوں پارٹیوں کے قیام کا پس منظر ہے؛ ریپبلکن پارٹی کو اس بات کی زیادہ پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ اس جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آئے جس کا وہ راگ الاپتے ہیں، بلکہ ان پر 'کاؤبوائے' والا رویہ غالب ہے جو تکبر اور عناد سے بھرا ہوا ہے، اور وہ اسی ماحول سے پروان چڑھے ہیں اور آج بھی اسی کے زیرِ اثر ہیں۔ کاؤبوائے ثقافت کا جھکاؤ اس شخص کی طرف ہوتا ہے جو طاقت کا مظاہرہ کرے، کسی کو مارے تو کسی کو قتل کرے، اور یہاں وہاں دھماکے کرے۔ انہیں بے گناہ لوگوں کے قتل جیسے جرائم کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ یہ ان کے اپنے ملک میں عام ہے، اور وہ اپنی خواہشات کے مطابق اسلحہ اٹھانے اور اسے استعمال کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ امریکی سینیٹ نے پیر کے روز ڈیموکریٹک پارٹی کی اس تجویز کو مسترد کر دیا تھا جس میں انفرادی اسلحہ خریدنے والوں کی مجرمانہ اور نفسیاتی تاریخ کی چھان بین کو وسعت دینے کی اجازت مانگی گئی تھی۔ اس طرح، ریپبلکنز کو اسلحہ ڈیلرز کی لابی کے غلبے کی وجہ سے اسلحہ رکھنے کے لیے ضوابط بنانے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ دوسری طرف، ڈیموکریٹک پارٹی پر دھوکہ دہی اور جھوٹی جمہوریت کا لبادہ اوڑھنا اور انگریزوں کے اسلوب کی نقل کرنا غالب ہے، وہ زہریلی چیز کو چکنی چپڑی باتوں کے غلاف میں پیش کرتے ہیں، یعنی وہ مسکراتے ہوئے آپ کو قتل کر دیتے ہیں، جب کہ ریپبلکن پارٹی خالص زہر پیش کرتی ہے اور دانت پیستے ہوئے آپ کو موت کے گھاٹ اتارتی ہے۔ اسی لیے ڈیموکریٹک صدور دھوکہ دہی اور سادہ لوح لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹنے میں زیادہ ماہر ہوتے ہیں، جبکہ ریپبلکن صدور کسی کو دھوکہ نہیں دیتے کیونکہ ان کی دشمنی کھلی اور اعلانیہ ہوتی ہے۔ دونوں پارٹیوں کے صدور کی حالیہ تاریخ کی مثالوں پر نظر ڈالنے سے اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ بش صلیبی جنگ (Crusade) کی بات کرتا ہے اور اوباما قاہرہ میں قرآن کی آیت کا حوالہ دیتا ہے... حالانکہ دونوں ہی اسلام کے خلاف گہری سازشیں کرتے ہیں! اسی

لیے جیسا کہ ہم نے پہلے کہا: 'ڈیموکریٹک صدور دھوکہ دہی اور سادہ لوح لوگوں کو جیتنے میں زیادہ ماہر ہوتے ہیں، جبکہ ریپبلکن صدور کسی کو دھوکہ نہیں دیتے کیونکہ ان کی عداوت کھلی اور واضح ہوتی ہے'۔ یہاں تک کہ دونوں پارٹیوں کے انتخابی نشانات میں بھی معنی کا ایک فرق ہے جو ہماری بات سے میل کھاتا ہے۔ جب سے جرمن نژاد امریکی کارٹونسٹ تھامس ناسٹ نے (1870 اور 1874 میں) 'ہارپر میگزین' میں ایک خاکہ شائع کیا جس میں ایک گدھے کو شیر کی کھال پہنے دکھایا گیا تھا تاکہ جانوروں کے ایک گروہ کو ڈرایا جا سکے، جن میں ایک بپھرا ہوا بڑا ہاتھی بھی تھا جو اپنے ارد گرد کی چیزیں توڑ رہا تھا... تب سے گدھا ڈیموکریٹک پارٹی کا اور ہاتھی ریپبلکن پارٹی کا نشان بن گیا۔ یہ دونوں نشانات دونوں پارٹیوں کی اصل تصویر کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس طرح، ٹرمپ کے اقدامات ریپبلکن پارٹی کے امیدواروں کے روایتی اقدامات سے ہٹ کر نہیں ہیں، سوائے ان ذاتی خصوصیات کے جو ایک شخص کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں، لیکن ریپبلکن پارٹی کی عمومی خصوصیات تقریباً پارٹی کے تمام امیدواروں پر صادق آتی ہیں..." (اقتباس ختم ہوا)۔

2- چنانچہ، ریپبلکنز میں سرایت شدہ تکبر، اور ڈیموکریٹس کا گمراہ کن اور دھوکہ دہی پر مبنی اسلوب، دونوں پارٹیوں کے صدور کی جانب سے جاری کردہ تزویراتی (اسٹریٹجک) دستاویزات میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے:

بائیڈن کی حکمتِ عملی، مثال کے طور پر، تعاون، جمہوریت، انسانی حقوق اور سفارت کاری جیسے گمراہ کن الفاظ کے ذریعے امریکی قیادت کو دوام بخشنے اور بالادستی اور عالمی نظام کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتی ہے...

جہاں تک ٹرمپ کا تعلق ہے، جن کی شخصیت میں حد سے زیادہ غرور، اقتدار کا جنون، نمود و نمائش کی محبت، دانشمندی کی کمی اور اندرونی تنازعات اور مخالفین کو دیوار سے لگانے کا میلان ایک قسم کی سرشاری کے ساتھ نمایاں ہے، تو اس کا مقصد "پہلے امریکہ" (America First) اور "طاقت کے ذریعے امن" جیسے کھلے اور بے نقاب نعروں کے ذریعے عالمی سطح پر امریکی قیادت کو برقرار رکھنا ہے، بلکہ وہ تو اپنے اتحادیوں کی کھلم کھلا توہین کرنے تک چلے جاتے ہیں۔ ٹرمپ نے اپنی اسٹریٹجک دستاویز میں اس کا واشگاف اظہار ان الفاظ میں کیا: ("اور اس حکمتِ عملی کا مقصد ان تمام فوائد اور دیگر چیزوں کو یکجا کرنا ہے تاکہ امریکی طاقت اور بالادستی کو مزید تقویت دی جائے اور ہمارے ملک کو ماضی کے کسی بھی دور سے زیادہ عظیم بنایا جائے"۔ امریکی قومی سلامتی کی حکمتِ عملی کی دستاویز 2025۔ https://www.mc-doualiya.com/)

اسی طرح، "ترجیحات" کے عنوان کے تحت ذکر کردہ تقریباً تمام ذیلی عنوانات میں امریکی بالادستی کے تحفظ، اسے مضبوط بنانے اور برقرار رکھنے پر زور دیا گیا ہے، جو کہ یہ ہیں: امن کے ذریعے تنظیمِ نو، معاشی تحفظ، متوازن تجارت، سپلائی چینز اور اہم مواد تک رسائی کو محفوظ بنانا، دفاعی صنعتوں کی بنیاد کو بحال کرنا، توانائی کی بالادستی، اور مالیاتی شعبے میں امریکی تسلط کا تحفظ اور اسے فروغ دینا۔

3-وہ قومی حکمتِ عملی کی دستاویزات جن کا اعلان ڈیموکریٹک صدور، مثلاً بائیڈن، اوباما اور کلنٹن نے کیا، وہ نام نہاد 'نرم طاقت' (Soft Power) اور بین الاقوامی اداروں جیسے کہ اقوامِ متحدہ اور نیٹو (NATO) کے ذریعے امریکی بالادستی کو چلانے پر مبنی تھیں۔ ان میں جمہوریت اور انسانی حقوق جیسی دھوکہ دہی پر مبنی اصطلاحات کو بطورِ عذر استعمال کیا گیا۔ ڈیموکریٹس کی قومی حکمتِ عملی کی دستاویز کے مطابق، امریکہ "دنیا کا سپاہی" ہے، اور اگرچہ اس کردار کے کچھ اخراجات اور بوجھ ہیں، لیکن وہ اسے امریکی عالمی نظام کے تسلسل اور اپنے استعماری اثر و رسوخ کو پھیلانے کے لیے ایک لازمی ٹیکس کے طور پر ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

دوسری طرف ریپبلکنز کی حکمتِ عملیوں میں، جیسا کہ نکسن اور ٹرمپ کی دستاویزات میں نظر آتا ہے، منطق مختلف ہے؛ وہ اتحادیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ امریکہ کی فراہم کردہ حفاظت اور اس کی حفاظتی چھتری کے بدلے قیمت ادا کریں۔ یہ بات ٹرمپ کی 2025 کی دستاویز میں "بوجھ کی تقسیم اور اخراجات کی منتقلی" کے ذیلی عنوان کے تحت واضح طور پر سامنے آئی، جس میں انہوں نے شمالی اوقیانوس کے معاہدے کی تنظیم (نیٹو) کے ممالک کو پابند کیا کہ وہ "اپنی مجموعی قومی پیداوار (GDP) کا 5 فیصد دفاع کے لیے مختص کریں"۔ (امریکی قومی سلامتی کی حکمتِ عملی کی دستاویز 2025-https://www.mc-doualiya.com/)

جیسا کہ ظاہر ہے، اگرچہ اپنائے گئے اسالیب مختلف ہیں، استعمال شدہ ذرائع جدا ہیں اور حالات و واقعات کے لحاظ سے ترجیحات میں فرق ہے، لیکن قومی سلامتی کی حکمتِ عملی کی دستاویزات کا بنیادی ہدف ایک ہی رہتا ہے، چاہے وہ ٹرمپ کی طرف سے جاری ہوں یا بائیڈن، اوباما، بش، کلنٹن یا اس استعماری ریاست کے کسی بھی دوسرے صدر کی جانب سے۔ وہ واحد اور مستقل مقصد یہ ہے: امریکہ کی عالمی قیادت کا تحفظ، اس کی بالادستی کو مستحکم کرنا اور ریاستہائے متحدہ کے مدمقابل کسی بھی طاقت کو ابھرنے سے روکنا!

4-چنانچہ، ٹرمپ نے جس حکمتِ عملی کی دستاویز کا اعلان کیا ہے وہ اہداف کے لحاظ سے کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہے، بلکہ ان اہداف تک پہنچنے کے لیے اپنائے گئے طریقوں میں تبدیلی ہے۔ جیسا کہ 18 نومبر 2016 کے 'سوال و جواب' میں بھی یہ ذکر کیا گیا تھا کہ: (جہاں تک سابقہ صدر کے دور میں رائج بنیادی مسائل پر امریکی پالیسی کی تبدیلی کا تعلق ہے، تو توقع یہی ہے کہ اس کے خدوخال تبدیل نہیں ہوں گے، بلکہ صرف طریقے بدلے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ امریکی نظام کو مختلف ادارے کنٹرول کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے اختیارات کم یا زیادہ ہوتے ہیں... یہ ادارے امریکی پالیسی کے بنیادی خطوط کو تقریباً مستحکم رکھنے میں اثر انداز ہوتے ہیں، سوائے طریقوں کے فرق کے...)۔ اقتباس ختم شد

5-اس کی تصدیق ریاستہائے متحدہ کی تشکیل کے بعد امریکی سیاسی جماعتوں کے ظہور کے جائزے سے بھی کی جا سکتی ہے۔ ان سب کی بنیاد ایک ہی ہے جو امریکہ کی بالادستی اور جبر و استبداد کو برقرار رکھتی ہے، اور یہ جماعتیں صرف اسلوب اور ذاتی سرکشی میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں:

الف-یورپ سے (بھاگ کر آنے والوں اور سیاحوں) نے جب امریکہ، خاص طور پر شمالی امریکہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے اصل باشندوں 'ریڈ انڈینز' کو غلام بنا لیا، تو انہوں نے ایک ریاست کی تشکیل پر کام شروع کیا.. ہم وکی پیڈیا سے نقل کرتے ہیں [...بحرِ اوقیانوس کے ساحل پر واقع تیرہ برطانوی نو آبادیات نے، جن میں پہلی انگریزی نو آبادی ورجینیا تھی، 4 جولائی 1776 کو اعلانِ آزادی جاری کیا جس میں برطانیہ "عظمیٰ" سے اپنی آزادی اور ایک وفاقی حکومت کی تشکیل کا اقرار کیا گیا تھا۔ 17 ستمبر 1787 کو فلاڈیلفیا کنونشن نے موجودہ امریکی دستور کو اپنایا اور اگلے سال 1788 میں اس کی توثیق کر دی گئی، جس نے ان ریاستوں کو ایک مرکزی حکومت والی واحد جمہوریہ کا حصہ بنا دیا۔ پھر اس نے فرانس، اسپین، میکسیکو اور روس سے علاقے حاصل کیے، اور جمہوریہ ٹیکساس اور ہوائی کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا.. پھر اگلے سال 1789 میں باقاعدہ طور پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کا قیام عمل میں آیا..اور جارج واشنگٹن ریاستہائے متحدہ کے پہلے صدر (1789-1797) بنے..]

ب-ڈیموکریٹک ریپبلکن پارٹی کانگریس کے ایک ایسے دھڑے سے نکلی جس میں الیگزینڈر ہیملٹن کی مرکزی پالیسیوں کے مخالفین شامل تھے، جنہوں نے صدر جارج واشنگٹن کے دور میں وزیرِ خزانہ کے فرائض انجام دیے تھے۔

ج-ڈیموکریٹک ریپبلکن پارٹی 1828 تک قائم رہی جہاں سے اینڈریو جیکسن کے حامیوں کے ہاتھوں موجودہ ڈیموکریٹک پارٹی وجود میں آئی.. پھر 1854 میں موجودہ ریپبلکن پارٹی بنی اور ابراہم لنکن 1865 میں پہلے امریکی ریپبلکن صدر بنے...]

6-لہٰذا، ان جماعتوں کی اصل ایک ہی ہے یعنی امریکی تسلط مسلط کرنا، اور یہ صرف اپنے طریقوں، مکاری کی حد اور ذاتی فرعونیت کے درجے میں مختلف ہیں۔ ان کا اختلاف ان تین چیزوں سے آگے نہیں بڑھتا:

مثال کے طور پر ٹرمپ نے جس نئی تزویراتی دستاویز کا اعلان کیا ہے وہ 'کاؤبوائے' کے متکبرانہ رویے کی بدترین شکل ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا، جہاں ڈیموکریٹس لومڑی کی طرح زہر کو چکنائی کے جھوٹے غلاف میں پیش کرتے ہیں (یعنی جمہوریت، انسانی حقوق اور سفارتی لفاظی کے نقاب تلے)، وہاں ریپبلکنز زہر کو ویسے ہی مسلط کرتے ہیں، جبکہ وہ دانت پیس رہے ہوتے ہیں اور کھلی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ٹرمپ کا نعرہ "پہلے امریکہ" اپنی حقیقت میں استعماری بھتہ خوری کی پالیسی کے سوا کچھ نہیں، جو حلیفوں کے ساتھ بھی 'تحفظ کے بدلے رقم دو' کے اصول پر ٹیکس مسلط کرتی ہے۔

7-اس طرح ٹرمپ اور بائیڈن کی حکمتِ عملی پر گہری نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلوب، مکاری اور ذاتی سرکشی کے سوا کوئی اختلاف نہیں.. اگرچہ جو کچھ ہم نے پہلے ذکر کیا وہ اس پر دلالت کرتا ہے، لیکن دونوں حکمتِ عملیوں میں متعدد بین الاقوامی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے بہت سے مسائل، جیسے یورپ اور چین کے بارے میں ان کا نظریہ تقریباً ایک جیسا ہے۔ البتہ کچھ معاملات میں اسلوب، مکاری اور ذاتی سرکشی کا فرق ظاہر ہوا ہے جیسے کہ 'نصف کرہ غربی' (Western Hemisphere) میں، اور کچھ معاملات ایسے ہیں جن میں وہ ایک ایسے مکر پر متفق ہو گئے ہیں جو اس خطے اور اس کے لوگوں کے حق میں نہایت برا ہے، جیسا کہ مشرقِ وسطیٰ.. ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ نصف کرہ غربی اور مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں بائیڈن اور پھر ٹرمپ کی حکمتِ عملی کا ذکر کریں گے:

الف-نصف کرہ غربی: چونکہ 'مونرو نظریہ' (Monroe Doctrine) کا تعلق اسی سے ہے، اس لیے ہم مونرو اور اس کے نظریے کے بارے میں کچھ ذکر کرتے ہیں:

(مونرو 1817 سے 1825 تک ریاستہائے متحدہ کے پانچویں صدر رہا۔ اس نے 1819 میں اپنی انتظامیہ کے ذریعے فلوریڈا کی ریاست حاصل کی.. اور 1823 میں مونرو نظریے کا اعلان کیا جس میں اس نے براعظم امریکہ کے معاملات

میں کسی بھی یورپی مداخلت کی مخالفت کی۔۔ یہ بیان امریکی صدر جیمز مونرو کے ایک پیغام کی صورت میں سامنے آیا جو اس نے 2 دسمبر 1823 کو امریکی کانگریس کو پیش کیا تھا۔ مونرو نظریے نے نصف کرہ غربی کی تمام ریاستوں کی آزادی کی ضمانت دینے کا مطالبہ کیا تاکہ انہیں یورپی مداخلت کے ذریعے ظلم کا نشانہ بننے یا ان کے مستقبل کے فیصلے میں مداخلت سے بچایا جاسکے۔۔ وکی پیڈیا سے کچھ تصرف کے ساتھ)۔

اس کے بعد آنے والے امریکی صدور نے اپنے اپنے مختلف اسالیب، مکاری اور سرکشی کے ساتھ اس پر عمل درآمد جاری رکھا۔۔ ہم ذیل میں بائیڈن اور ٹرمپ کی حکمتِ عملی میں اس حوالے سے جو کچھ سامنے آیا ہے اس کا مختصر ذکر کریں گے تاکہ دونوں کے درمیان فرق واضح ہو سکے:

بائیڈن کی حکمتِ عملی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ خطہ: (ریاستہائے متحدہ کے لیے سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والا علاقہ ہے، جہاں سالانہ تجارت 1.9 ٹریلین ڈالر تک پہنچ جاتی ہے، اس کے علاوہ مشترکہ اقدار، جمہوری روایات اور خاندانی روابط بھی موجود ہیں۔۔ اس حکمتِ عملی کی نظر میں ریاستہائے متحدہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ براعظم امریکہ کے ممالک میں اپنی کمپنیوں کو فعال کرنے کے لیے کام کرے۔۔ بائیڈن کی حکمتِ عملی یہ بھی بتاتی ہے کہ ریاستہائے متحدہ اپنے سرحدی ڈھانچے کو جدید بنانا جاری رکھے گی، اور خطے کے ممالک کے ساتھ مل کر ہجرت کا ایک منصفانہ، منظم اور انسانی نظام تشکیل دے گی۔۔ اسی طرح وہ ہجرت کے قانونی راستوں کو وسعت دینے اور اسمگلنگ کے خلاف جنگ جاری رکھے گی۔۔)۔ وہ کسی دوسری بڑی طاقت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کا کوئی ایسا موثر اثر و رسوخ ہو جو امریکی اثر و رسوخ کا مقابلہ کرے یا اس سے آگے بڑھے، لیکن اس کے لیے دھوکہ دہی اور مکارانہ طریقے جیسے کہ جمہوریت اور انسانی حقوق استعمال کیے جاتے ہیں۔۔۔ اور فوجی کارروائی آخر میں ہوتی ہے، شروع میں نہیں۔

جہاں تک ٹرمپ کی حکمتِ عملی کا تعلق ہے، تو وہاں فوجی کارروائیوں کی دھمکی شروع ہی میں دے دی جاتی ہے، چاہے ان پر عمل درآمد نہ بھی ہو! ٹرمپ کی حکمتِ عملی تکبر، دھونس اور دھمکیوں سے خالی نہیں ہے۔ اس کی حکمتِ عملی میں (کچھ تصرف کے ساتھ) درج ذیل باتیں آئی ہیں: [۔۔ امریکی سلامتی کے تحفظ اور نصف کرہ غربی (خود امریکہ، کناڈا اور جنوبی امریکہ) پر اپنا کنٹرول بحال کرنے اور بیرونی طاقتوں کو وہاں افواج تعینات کرنے سے روکنے کے لیے 'مونرو نظریے' کا اطلاق۔۔ اور وہ اسے "ریاستہائے متحدہ امریکہ کا مخصوص علاقہ" قرار دیتا ہے]۔۔ اسی لیے ٹرمپ نے کینیڈا سے مطالبہ کیا کہ وہ اس میں شامل ہو کر 51 ویں ریاست بن جائے۔ اس نے پاناما کو دھمکایا کہ وہ چین کے ساتھ معاہدے

منسوخ کرے، جس پر پاناما نے انہیں منسوخ کر دیا۔ اسی طرح اس نے 3 جنوری 2026 کو وینزویلا پر حملہ کیا، اس کے دارالحکومت کراکاس پر بمباری کی اور وہاں کے صدر مادورو اور ان کی اہلیہ کو گرفتار کر لیا، یہ ایک ایسی فرعونیت ہے جس سے ناپسندیدہ روایتی استعمار کی بو آتی ہے! اس نے نصف کرہ غربی کے ساتھ اس سلوک کو 'ٹرمپ نظریہ' کا نام دیا جو مونرو نظریے کا تکملہ ہے.. بلکہ ٹرمپ نے اپنی دھمکیوں کا دائرہ ڈنمارک کے زیرِ انتظام گرین لینڈ تک پھیلا دیا، جبکہ ڈنمارک نیٹو کا رکن ہے! ٹرمپ کی سرکشی بالکل عیاں ہے!!

ب- مشرقِ وسطیٰ کا مسئلہ، اور جیسا کہ ہم نے پہلے کہا (کچھ معاملات ایسے ہیں جن میں وہ ایک ایسے مکر پر متفق ہو گئے ہیں جو اس خطے اور اس کے لوگوں کے حق میں برا ہے جیسے کہ مشرقِ وسطیٰ)، تو دونوں حکمتِ عملیوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ انہوں نے یہودی وجود کی حمایت اور حکمرانوں کے اس کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کی توسیع کا اعلان کیا.. اور نہ ہی صرف امت کی دولت بالخصوص خلیج کے تیل وغیرہ پر ڈاکے ڈالنے پر.. اور نہ ہی مشرقِ وسطیٰ کے سمندری راستوں بشمول آبنائے ہرمز اور باب المندب کے ذریعے جہاز رانی پر تسلط برقرار رکھنے پر.. انہوں نے صرف ان چیزوں پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کی نص بھی شامل کی، جس کا ان کی مکارانہ لغت میں مطلب "اسلام اور اسلام کا نظامِ حکومت" ہے۔ چنانچہ ٹرمپ مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں اپنی حکمتِ عملی میں کہتا ہے: (اور اس خطے کو دہشت گردی کا مرکز بننے سے روکنا...)، جبکہ بائیڈن اپنی حکمتِ عملی میں کہتا ہے: (اور دہشت گردی کے خطرات کا مقابلہ کرنا...)۔ ان سب سے مراد اس خطے کے لوگوں کی آئیڈیالوجی یعنی "اسلام" کو خطرہ بننے سے روکنا ہے، کیونکہ یہاں کے لوگ مسلمان ہیں جو اپنی اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر اپنی ریاست قائم کرنے، اپنے ملکوں کو امریکی و مغربی تسلط سے آزاد کرانے، ان کے تابع نظاموں کو گرانے اور یہودی وجود کو ختم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ معاملہ صرف نارملائزیشن کے معاہدوں کو دفن کرنے تک محدود نہیں ہے۔

8- خلاصہ یہ ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے امریکی صدور کی جانب سے جاری کردہ "قومی سلامتی کی حکمتِ عملی" کی دستاویزات کا بنیادی ڈھانچہ اور جوہر مستقل رہا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جو چیز بدلتی ہے وہ عمل درآمد کے طریقے، مکاری اور امریکی بالادستی کو مسلط کرنے، اسے تحفظ دینے اور برقرار رکھنے میں ذاتی فرعونیت ہے.. اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ، اور اپنی پوری طاقت اس بات پر لگانا کہ اسلام کی ریاست "خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ" قائم نہ ہو سکے.. لیکن وہ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کا محض ذکر ہی ان کی نیندیں اڑا دیتا ہے، جیسا کہ امریکی قومی انٹیلی جنس کی ڈائریکٹر تلسی گبارڈ نے چند دن پہلے 21 دسمبر 2025 کو کہا کہ "یہ اسلامی نظریہ ہماری آزادی

کے لیے براہِ راست خطرہ ہے، کیونکہ یہ اپنی بنیاد میں ایک سیاسی نظریہ ہے جو ایک عالمی خلافت قائم کرنا چاہتا ہے"۔ اور ہم کہتے ہیں: **﴿مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ﴾ "اپنے غصے میں جل مرو"** (سورۃ آلِ عمران: آیت 119)، کیونکہ امتِ مسلمہ ضرور بیدار ہوگی اور اللہ کے حکم سے اس جبر و استبداد کے دور کے بعد جس میں ہم جی رہے ہیں، اپنی ریاست 'خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ' قائم کرے گی: **«...ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ» (پھر جبر کی حکومت ہوگی، وہ تب تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر اللہ جب چاہے گا اسے اٹھالے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہوگی، پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے)** اسے احمد نے روایت کیا ہے۔ اور اس وقت ظالم ٹرمپ اور اس کے ساتھیوں کا انجام وہی ہوگا جو خلافت کے قیام کے بعد کسریٰ اور قیصر کا ہوا تھا: **﴿بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ﴾** "یہ ایک پیغام ہے، تو کیا نافرمان قوم کے سوا کوئی اور ہلاک کیا جائے گا؟" (سورہ الاحقاف: آیت 35)

25 رجب 1447ھ

مطابق 14 جنوری 2026ء

یمنی مسئلے کو اس قدر شدید حد تک بحران زدہ بنانے کے پیچھے کیا عوامل کار فرما ہیں؟

سوال:

یمن کی صدارتی کونسل کے ایک رکن، عیدروس الزبیدی کی قیادت میں یمن میں "جنوبی عبوری کونسل" (Southern Transitional Council) کی جانب سے یمن کے علاقے، حضرموت اور المھرۃ میں اپنی فوجیں تعینات کرنے کے بعد سے حالات کافی پیچیدہ ہو گئے ہیں؛ جنوبی عبوری کونسل کے سربراہ، رشاد العلیمی نے متحدہ عرب امارات کے ساتھ مشترکہ دفاعی معاہدہ ختم کر دیا اور مطالبہ کیا کہ وہ 24 گھنٹوں کے اندر اندر اپنی افواج یمن سے واپس بلا لے۔ سعودی عرب نے فوری طور پر اس کی تائید کی اور یمن کے شہر، المکلا کی بندرگاہ پر موجود متحدہ عرب امارات کے ہتھیاروں پر بمباری کی، اور پھر سعودی عرب نے مطالبہ کر دیا کہ متحدہ عرب امارات، رشاد العلیمی کے مطالبے پر عمل کرتے ہوئے اپنی فوجیں یمن سے نکال لے۔ اس کے بعد متحدہ عرب امارات نے اپنی افواج واپس بلا لیں، اور بالآخر عیدروس الزبیدی متحدہ عرب امارات کی طرف فرار ہو گیا... تو پھر یمنی مسئلے کو اس قدر شدید بحران کی طرف دھکیلنے کے پیچھے کیا عوامل کار فرما ہیں؟ کیا برطانیہ یمن میں اپنے حامیوں کو کھو رہا ہے؟ اور کیا اس تنازعہ کا کوئی بین الاقوامی پہلو بھی ہے؟

جواب:

ان معاملات کو واضح کرنے کے لئے، ہم پہلے یہ وضاحت کریں گے کہ آخر یہ بحران کیسے وجود میں آیا، اور پھر یہ کہ ان واقعات کے نتائج اور پیدا ہونے والی صورتِ حال کس سمت جا سکتی ہے:

اول: بحران کی تشکیل کا مقامی پہلو

1- ظاہری طور پر یہ بحران اس وقت شروع ہوا جب یمنی عبوری کونسل ــــ جو جنوبی یمن کی ریاست کی بحالی کے منصوبے کی سب سے شدید حامی ہے ــــ نے حضرموت اور المھرۃ پر کنٹرول حاصل کرنے اور عمرو بن حبریش کی قیادت میں قبائلی اتحاد کی افواج کو تیل کی تنصیبات سے بے دخل کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کیں۔ "جنوبی عبوری کونسل کے وفادار یمنی دستوں نے جمعرات کی صبح اعلان کیا کہ انہوں نے حضرموت صوبے کے علاقے المسیلۃ میں تیل کمپنیوں سے متعلق

مقامات پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ یہ کارروائی ایک فوجی تعیناتی کے بعد عمل میں آئی جس میں تیل کے کنویں، ان کے گرد و نواح کی تنصیبات اور تیل کی رسد کے راستے شامل تھے۔ یہ پیش رفت حضرموت قبائلی اتحاد (Hadramawt Tribal Alliance) سے وابستہ افواج کے علاقے میں اپنے ٹھکانوں سے انخلاء کے بعد ہوئی، جو بعض مقامات پر محدود جھڑپوں کے بعد عمل میں آیا..." (بی بی سی، 04 دسمبر، 2025ء)۔

2- الجزیرہ نے 03 دسمبر، 2025ء کو رپورٹ کیا کہ محمد القحطاني کی سربراہی میں ایک سعودی وفد، صوبہ حضرموت کے دارالحکومت المکلا پہنچا اور وہاں موجود فریقین کو اکٹھا کیا۔ ایک معاہدہ طے پایا تاکہ کشیدگی ختم کی جا سکے، اور اس مقصد کے لئے ایک مفاہمتی یادداشت پر دستخط کئے گئے۔ "حضرموت کے گورنر ہاؤس کے میڈیا آفس کے ایک بیان کے مطابق، اس معاہدے پر حضرموت کے گورنر سالم احمد الخنبشي اور صوبے کے پہلے ڈپٹی گورنر اور حضرموت قبائلی اتحاد کے سربراہ شیخ عمرو بن علی بن حبریش نے دستخط کئے" (سکائی نیوز، 04 دسمبر، 2025ء)۔ یہ بھی طے پایا کہ سعودی وفد اس معاہدے پر عمل درآمد کی یقین دہانی کرنے کے لئے حضرموت میں ہی قیام کرے گا۔

3- (حضرموت قبائلی اتحاد کے سربراہ شیخ عمرو بن حبریش، جو یمن کے مشرق میں واقع اس تیل سے مالا مال صوبے کے لئے خود مختار حکومت کا مطالبہ کر رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ حضرموت کو ایک مسلح بیرونی یلغار کا سامنا ہے جو ساحلی اور بالائی علاقوں میں واقع مقامات کو نشانہ بنا رہی ہے اور اس کی تیل کی تنصیبات کے لئے خطرہ ہے۔ شیخ عمرو بن حبریش نے ایک ٹیلی ویژن خطاب میں جنوبی عبوری کونسل کی افواج پر الزام لگایا کہ "انہوں نے قبائلی اتحاد کے ٹھکانوں پر ڈرون حملوں کے ذریعے دھوکہ دہی سے حملہ کیا، جو مقامی حکام اور حضرموت قبائلی اتحاد کے درمیان طے پانے والے معاہدے کی کھلی خلاف ورزی ہے، جس کے نتیجے میں ہلاکتیں ہوئیں اور لوگ زخمی ہوئے ہیں" (العربي الجديد، 09 دسمبر، 2025ء))۔

بہر حال سعودی عرب نے ان پیش رفتوں کو مسترد کر دیا۔ [میجر جنرل محمد القحطانی (جو یمن سے متعلق خصوصی کمیٹی کے سربراہ ہیں) اور اس موجودہ سعودی وفد کے سربراہ بھی ہیں، جو حضرموت صوبے کا دورہ کر رہا ہے، انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ان کا ملک حضرموت میں استحکام کے موقف کی حمایت کرتا ہے اور "کسی بھی قسم کی طاقت کے ذریعے حقائق مسلط کرنے کی کوشش" کو مسترد کرتا ہے۔]

4- دریں اثناء یمنی صدارتی قیادت کی کونسل کے سربراہ، رشاد العلیمی نے سعودی عرب کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کا

موقف اپنایا۔ ”العلیمی نے کسی بھی ایسی انفرادی کارروائی کی قطعی مخالفت کی جو امن واستحکام کی راہ میں رکاوٹ بنے اور قانونی حکومت کی اتھارٹی کو نقصان پہنچائے، اور انہوں نے حضرموت میں طے پانے والے جنگ بندی معاہدے کی مکمل پابندی پر زور دیا۔ رشاد العلیمی نے یہ بیانات عبوری یمنی دارالحکومت عدن سے سعودی عرب کی طرف روانگی سے قبل دیئے“ (جریدہ القدس، 05 دسمبر، 2025ء)۔

5- اور جب سعودی کوششیں صورتحال کو متحدہ عرب امارات کی جانب سے عبوری کونسل کی افواج کو حضرموت اور المھرۃ کی طرف بھیجنے سے پہلے والی پوزیشن پر بحال کرنے میں ناکام ہو گئیں، یعنی معاملہ ایک بند گلی میں پہنچ گیا، تو بحران مزید شدت اختیار کر گیا اور اس نے علاقائی رخ اختیار کر لیا۔ ”یمنی صدارتی قیادت کی کونسل کے سربراہ، رشاد العلیمی نے منگل کے روز متحدہ عرب امارات کے ساتھ مشترکہ دفاعی معاہدہ منسوخ کرنے کا فیصلہ جاری کر دیا اور اماراتی افواج کو یمن سے نکلنے کے لئے 24 گھنٹے کا وقت دے دیا“ (آر ٹی، 30 دسمبر، 2025ء)۔ رشاد العلیمی نے ہوم لینڈ شیلڈ فورسز (Homeland Shield Forces) (جو وزارت دفاع کے ماتحت ہیں) کو پیش قدمی کرنے اور دونوں صوبوں کے تمام فوجی کیمپوں کا کنٹرول سنبھالنے کا حکم بھی دے دیا۔

6- سعودی عرب نے فوری طور پر اس اقدام کی تائید کی، جس کے بعد سے بحران مزید شدت اختیار کر گیا۔ سعودی افواج نے ان ہتھیاروں اور گولہ بارود پر بمباری کی جو متحدہ عرب امارات نے عبوری کونسل کی مدد کے لئے المکلا کی بندرگاہ پر بھیجے تھے۔ ”یمن میں سعودی قیادت میں اتحادی افواج نے منگل کے روز ایک محدود فوجی کارروائی کرنے کا اعلان کیا جس میں ان ہتھیاروں اور جنگی گاڑیوں کو نشانہ بنایا گیا جو متحدہ عرب امارات سے صوبہ حضرموت کے شہر مکلا کی بندرگاہ پر پہنچی تھیں“ (صدی نیوز، 30 دسمبر، 2025ء)۔ یوں اس طرح یمن میں ایک شدید بحران پیدا ہو گیا جسے سفارتی کوششیں حل نہ کر سکیں اور یہاں تک کہ یہ بحران علاقائی سطح تک پھیل گیا، جہاں سعودی عرب نے صدارتی کونسل سے متحدہ عرب امارات کو یمنی منظر نامے سے نکالنے کا مطالبہ کیا، اور پھر ان ہتھیاروں پر بمباری کی جو متحدہ عرب امارات نے حضرموت میں عبوری کونسل کو بھجوائے تھے، جس سے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے درمیان اسی طرح کا ایک شدید بحران کا خدشہ پیدا ہو گیا، جو 2017ء میں سعودی عرب اور قطر کے مابین پیش آنے والے بحران سے مشابہ ہے۔

7- پھر دھمکیوں کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ متحدہ عرب امارات ”جھک“ گیا اور اس نے یمن سے اپنی افواج کو نکالنے کا

اعلان کر دیا۔ "اماراتی وزارت دفاع نے منگل کے روز اپنے اہلکاروں کی سلامتی کو یقین دہانی بناتے ہوئے اور متعلقہ پارٹنرز کی باہمی ہم آہنگی کے ساتھ یمن میں انسدادِ دہشت گردی کے باقی ماندہ دستوں کو واپس بلانے کا اعلان کر دیا" (آر ٹی، 30 دسمبر، 2025ء)۔ دوسری طرف سعودی عرب نے یمن میں متحدہ عرب امارات کے اتحادیوں (عیدروس الزبیدی کی قیادت میں عبوری کونسل) کو حضرموت اور المھرۃ سے بے دخل ہونے کی وارننگ دینا جاری رکھا۔ اس عبوری کونسل نے ابتداء میں تو ان وارننگ پر تعمیل کرنے سے انکار کیا، لیکن پھر سعودی دھمکی کے دباؤ میں آکر لچک دکھانا شروع کی اور مشترکہ موجودگی یا جزوی انخلاء کی پیشکش کی۔ "یمنی جنوبی عبوری کونسل کی افواج نے حضرموت کے ساحلی علاقوں اور اس کی وادی کے متعدد علاقوں سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا" (المدن، 31 دسمبر، 2025ء)۔ تاہم یہ انخلاء اس بحران کا کوئی حتمی حل نہیں تھا، بلکہ ایک دھوکہ تھا!

8- اس کے بعد اتحادی افواج کے میڈیا کے اعلان کے مطابق 8 جنوری، 2026ء کو عیدروس الزبیدی صومالی لینڈ کے راستے عدن سے ابوظہبی فرار ہو گیا۔ پھر سعودی وزیر دفاع نے کہا کہ "مملکت سعودی عرب، جنوبی یمن میں موجود شخصیات کے ساتھ باہمی مشاورت سے ریاض کانفرنس کی تیاری کے لئے ایک ابتدائی کمیٹی تشکیل دے گی"۔ اور جمعہ کی صبح کو یمن کی جنوبی عبوری کونسل کے سیکرٹری جنرل عبد الرحمٰن الصبیحی نے کونسل اور اس کے تمام اداروں کو تحلیل کرنے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اب "مملکت سعودی عرب کی حمایت کے ساتھ ایک جامع جنوبی کانفرنس کے ذریعے جنوبی یمن کے منصفانہ مقصد کی تکمیل کے لئے مل کر کام کیا جائے گا" (الجزیرہ، 09 جنوری، 2026ء)۔

دوئم: بین الاقوامی پہلو

1- اس بحران کا یہ پہلو بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے؛ سعودی عرب کے حکمران امریکہ کے ایجنٹ ہیں اور اس کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں، جبکہ متحدہ عرب امارات کے حکمران برطانیہ کے ایجنٹ ہیں اور برطانوی پالیسیوں کو نافذ کرتے ہیں۔ یہ دونوں فریق ایک دوسرے کے بالکل الٹ ہیں، جس کی وجہ سے یمن میں ان کے مفادات آپس میں ٹکراتے ہیں چنانچہ وہ یا تو تصادم کے کنارے پر آکھڑے ہوتے ہیں یا اس تنازعہ کے کسی مرحلے میں داخل ہونے کو ہیں۔ جہاں تک اس تنازع میں شامل یمنی فریقوں کا تعلق ہے، تو کچھ عرصہ قبل تک یہ دونوں فریق برطانوی انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔ عیدروس الزبیدی، جو جنوبی یمن میں "عبوری کونسل" کی قیادت کر رہا ہے اور صدارتی کونسل کے آٹھ ارکان میں سے ایک ہے، وہ برطانیہ کا ایک ایجنٹ ہے اور اپنے تمام اقدامات میں متحدہ عرب امارات کے

ساتھ ہم آہنگی رکھتا ہے۔

2- جہاں تک جنوبی عبوری کونسل کے سربراہ رشاد العلیمی کا تعلق ہے، وہ بھی ابتدا میں برطانوی گروپ کا ہی حصہ تھا، لیکن اب اس نے بھرپور طریقے سے سعودی عرب کا ساتھ دیا ہے اور یمن سے متحدہ عرب امارات کے انخلاء کا مطالبہ کیا ہے، حالانکہ متحدہ عرب امارات یمن میں برطانوی اثر ورسوخ برقرار رکھنے کا سب سے مضبوط آلۂ کار ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لئے:

الف) سال 2022ء میں ایک صدارتی کونسل تشکیل دی گئی تھی جس کے سربراہ رشاد العلیمی کو صدر کے اختیارات دیئے گئے، جبکہ دیگر سات ارکان کو نائب صدر کے اختیارات ملے۔ سعودی عرب اور امریکی نمائندے اس کونسل کی تشکیل پر متفق تھے، حالانکہ اس کے بیشتر ارکان یمنی سیاسی محور کے وہ افراد تھے جو برطانیہ کے زیر اثر تھے۔ تاہم، انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی کیونکہ سعودی عرب نے مالی اور سکیورٹی معاونت کے ذریعے اس کونسل پر کنٹرول حاصل کر رکھا تھا، خاص طور پر اس لئے کہ اس کونسل میں جنوبی عبوری کونسل کے چار ارکان شامل تھے تاکہ اسے مطمئن کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ، رشاد العلیمی، جو کہ برطانوی حامیوں میں سے رہا تھا اور سابق یمنی صدر علی عبداللہ صالح کے دور میں اہم سیاسی عہدوں پر فائزرہ چکا تھا، وہ سعودی عرب میں قیام پذیر رہا تھا اور سعودی مالی وسکیورٹی امداد پر انحصار کرتا رہا تھا۔ چنانچہ اس سب سے سعودی عرب کے لئے اس پر مؤثر طور پر اثرانداز ہونا ممکن ہوا اور یہ اثر حالیہ مدت میں مزید مضبوط ہوا۔

ب) اسی وجہ سے، دسمبر کے آغاز میں حضرموت اور المہرۃ صوبوں پر عبوری کونسل کے حملے کے خلاف العلیمی کا موقف انتہائی سخت تھا۔ اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یمنی منظرنامے سے متحدہ عرب امارات کو نکالنے کا دوٹوک فیصلہ کیا، جو یمن میں برطانیہ کے باقی ماندہ اثر ورسوخ کے لئے ایک بڑا دھچکا ہے۔ یوں اس سے العلیمی کی وفاداری کی تبدیلی کی نشاندہی ہوتی ہے، اور اس کا حالیہ بیان اگر اس کی تصدیق نہیں کرتا تو بہرحال مزید نشاندہی ضرور کرتا ہے: "یمن کی صدارتی قیادت کی کونسل کے سربراہ رشاد العلیمی نے آج بیان دیا کہ سعودی عرب کے ساتھ اسٹریٹجک شراکت داری کا تحفظ ایک قومی ذمہ داری ہے، یمنی قیادت اس سے حاصل ہونے والے فوائد کو بھی سمجھتی ہے اور اس بات سے بھی آگاہ ہے کہ اس سے غفلت خطرناک ہوسکتی ہے، انہوں نے مزید کہا کہ یہ شراکت داری یمنی ریاست کی بحالی کی کوششوں میں ایک بنیادی ستون ہے" (العربیہ، یکم جنوری، 2026ء)۔ اس کے نتیجے میں صدارتی کونسل میں شامل انگریزوں کے

بڑے ایجنٹوں نے العلیمی پر اعتراضات کا حملہ کر دیا کہ وہ اپنے اختیارات سے تجاوز کر رہا ہے۔ انہوں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ: "انہوں نے انتہائی تشویش کے ساتھ صدارتی کونسل کے سربراہ رشاد العلیمی کے ان یکطرفہ اقدامات اور فیصلوں کا جائزہ لیا ہے، جن میں ہنگامی حالت کے اعلان اور سیاسی و سکیورٹی کے بیانات شامل ہیں۔ یہ خطرناک اقدامات ہیں، یہاں تک کہ ان کا یہ دعویٰ بھی کہ متحدہ عرب امارات کو عرب اتحاد اور یمنی سرزمین سے نکال دینا چاہیئے" (انڈیپنڈنٹ عربیہ، 30 دسمبر، 2025ء)۔ تاہم، رشاد العلیمی کی وفاداری برطانیہ سے سعودی عرب کی طرف منتقل ہو جانے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جنوبی یمن میں برطانوی اثر و رسوخ مکمل طور پر ختم ہو گیا ہے، لیکن بہرحال یہ اثر کافی حد تک کم ہو گیا ہے خاص طور پر عبدالرحمٰن الصبیحی کی جانب سے عبوری کونسل کی تحلیل کے اعلان کے بعد سے برطانوی اثر کافی کمزور ہو گیا ہے۔

سوئم: اس شدید تنازعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تنازعہ کا مرکز "حضرموت" اور اس کے ساتھ ملحقہ صوبہ "المهرة" ہے:

1- حضرموت، جو یمن کے رقبے کا تقریباً ایک تہائی حصہ ہے، یمن جنگ کے تمام تر برسوں کے دوران میں اس تنازعہ سے الگ تھلگ رہا تھا۔ حضرموت کو واضح طور پر اس جنوبی عبوری کونسل کے زیرِ اثر علاقہ سمجھا جاتا تھا جو جنوبی یمن کی شمالی یمن سے علیحدگی چاہتی ہے، اور وہاں سعودی مداخلت محدود تھی۔ 2024ء میں سعودی عرب نے حضرموت میں (رشاد العلیمی کی) یمنی حکومت کی افواج کے داخلے کی مدد کی، جبکہ متحدہ عرب امارات کی حمایت یافتہ جنوبی عبوری کونسل اس کی مخالفت کر رہی تھی (بلقیس ویب سائٹ، 03 جون، 2024ء)۔ حضرموت میں سعودی مداخلت اس وقت تک محدود رہی جب تک امریکہ میں ٹرمپ اقتدار میں نہ آیا تھا، جس کے بعد سعودی مداخلت میں تیزی آگئی اور متحدہ عرب امارات و جنوبی عبوری کونسل کو دی جانے والی حالیہ دھمکیوں کے ساتھ یہ سعودی مداخلت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

2- ٹرمپ انتظامیہ کے آنے کے بعد حضرموت میں سعودی مداخلت میں اضافہ بالکل واضح ہے۔ 2025ء کے آغاز سے سعودی عرب حضرموت میں قابلِ ذکر اثر و رسوخ قائم کر رہا ہے، قبائلی رہنماؤں سے رابطہ قائم کر رہا ہے اور اپنے حامی پیدا کر رہا ہے۔ اسے "حضرموت قبائلی اتحاد" کے رہنما اور صوبے کے پہلے ڈپٹی گورنر عمرو بن حبریش کی صورت میں اپنا مطلوبہ شخص مل گیا ہے، جسے سعودی عرب نے بھرپور مدد فراہم کی اور طاقت حاصل کرنے کے لئے اسے ابھارا، جس کے نتیجے میں وہ حضرموت میں مزید غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ "فروری 2025 میں عمرو بن حبریش نے

تیل کی برآمدات روکنے کے اعلان کے ساتھ ہی "حضرموت پروٹیکشن فورسز" کی تشکیل کے ذریعے کشیدگی میں اضافہ کیا" (الجزیرہ نیٹ، 03 دسمبر، 2025ء)۔ بعد ازاں "ریاض میں اعلیٰ حکام بشمول وزیر دفاع اور سعودی فوج کے چیف آف سٹاف نے اس کا استقبال کیا، جبکہ سعودی عرب نے اسے یمن کے شہر سیئون سے ریاض لانے کے لئے خصوصی فوجی طیارہ بھیجا اور اس کی خاطر بھرپور حمایت کا اظہار کیا" (اخبار العرب، 29 مارچ، 2025ء)۔ ریاض سے واپسی پر، اس نے مئی 2025ء میں 35 ہزار جنگجوؤں پر مشتمل 6 فوجی بریگیڈز اور خصوصی سکیورٹی و ریسکیو نئے یونٹس بنانے کا اعلان کیا۔ آخرکار سعودی عرب نے اپنے آدمی عمرو بن حبریش کو تیل کی کمپنیوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھایا، اور یہی وہ آخری پریشانی تھی جس نے عیدروس الزبیدی کی قیادت میں عبوری کونسل کی برداشت کی حد پار کر دی۔ چنانچہ عیدروس نے حضرموت کو دوبارہ اپنے کنٹرول میں لینے کے لئے کمر کس لی، جس سے اس بحران کی آگ بھڑک اٹھی۔

3-اس کے علاوہ ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ حضرموت کا وسیع و عریض صوبہ قیمتی قدرتی معدنیات کے خزانے پر موجود ہے، جن میں نایاب معدنیات جیسے "اسکینڈیم" شامل ہے جو حضرموت کے ساحلی علاقوں "بروم میفع" اور "حجر" میں وافر مقدار میں دریافت ہوئی ہے۔ اسکینڈیم کی یہ معدنیات طیارہ سازی اور خلائی جہازوں کی صنعت میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس کی تصدیق "عدن سٹی" ویب سائٹ نے 07 نومبر، 2025ء کو حضرموت کی جیولوجیکل سروے اتھارٹی کے حوالے سے بھی کی ہے۔ حضرموت میں ہونے والی اس دریافت سے یمن دنیا کی نایاب معدنیات کے نقشے پر آ جائے گا، اس کے علاوہ حضرموت کی سیاہ ریت "ایلمینائٹ"، "روٹائل"، "زرکون" اور "میگنیٹائٹ" جیسی معدنیات سے مالا مال ہے جن میں سرمایہ کاری کے لئے بین الاقوامی کمپنیاں آپس میں بازی لے جانے کی کوششیں کر رہی ہیں۔ حضرموت میں تیل، سنگِ مرمر اور گرینائٹ کے ذخائر بھی موجود ہیں۔ "یوں اس طرح سے یمن مشرق وسطیٰ کا وہ واحد عرب ملک ہے جس نے نایاب زمینی معدنیات پیدا کرنے والے ممالک کی فہرست میں اپنی جگہ بنالی ہے..." (انرجی پلیٹ فارم، واشنگٹن، 08 جولائی، 2025ء)۔ یہی وہ نایاب عناصر ہیں جو اب ٹرمپ انتظامیہ کی بین الاقوامی پالیسیوں کا محرک ہیں تاکہ ان معدنیات پر چین کی اجارہ داری کا مقابلہ کیا جا سکے جو الیکٹرانک چپس جیسی حساس صنعتی عمل کو اپنے کنٹرول میں لئے ہوئے ہے۔

4-اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ ہی نے سعودی عرب کو حضرموت کے استحکام سے کھیلنے کے لئے اکسایا ہے۔ عمرو بن حبریش کی قیادت میں قبائلی اتحاد کی جانب سے تیل کی کمپنیوں پر قبضے کی کوششیں اور خود مختاری کے

مطالبات میں تیزی لانا اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ اس صورتحال نے برطانیہ کے گروہ (متحدہ عرب امارات اور اس کے مقامی حامی جیسے جنوبی عبوری کونسل) کو حضرموت اور المھرۃ پر حملہ کرکے قبضہ کرنے پر مجبور کیا۔ اس پر سعودی عرب، یا یوں کہیے کہ ٹرمپ انتظامیہ آپے سے باہر ہوگئی، اور متحدہ عرب امارات کے خلاف وہ سخت اقدامات کیے جو 2015ء میں آپریشن ڈیسیسیو اسٹورم (Operation Decisive Storm) کے آغاز سے اب تک نہیں دیکھے گئے تھے۔ ان سخت اقدامات میں متحدہ عرب امارات کے ہتھیاروں پر بمباری اور جنوبی عبوری کونسل میں اس کے حواریوں کو دھمکیاں دینا شامل ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ حضرموت کی نایاب معدنیات کے معاملے کو کتنی سنجیدگی سے لے رہی ہے۔ امریکہ اس منظر نامے سے قطعاً باہر نہیں ہے، اگرچہ اسے اپنے آلہ کار سعودی عرب پر پورا بھروسہ بھی ہے۔ امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو نے سعودی وزیر خارجہ فیصل بن فرحان سے رابطہ کیا، "جس میں انہوں نے یمن کی صورتحال اور علاقائی استحکام و سلامتی پر اثر انداز ہونے والے مسائل پر تبادلہ خیال کیا" (آر ٹی، 30 دسمبر، 2025ء)۔

چہارم: خلاصہ کلام یوں ہے کہ یمنی منظر نامے میں نئی پیش رفت یہ ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ حضرموت پر اپنی توجہ مرکوز کر رہی ہے کیونکہ یہاں نایاب زمینی معدنیات موجود ہیں، جو امریکہ کو اس حساس شعبے میں چین کی بالادستی کا مقابلہ کرنے کے قابل بنائیں گی، جو کہ دیگر صنعتی آپریشنز کو کنٹرول کرتا ہے۔ اسی طرح یمنی قیادت کی وفاداری بھی برطانیہ سے بدل کر امریکہ کی طرف منتقل ہونے کا قوی امکان ہے جن میں سب سے نمایاں، یمنی صدر رشاد العلیمی ہیں۔ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ چینی کمپنیاں پہلے ہی حضرموت میں نایاب زمین کی معدنیات کی تلاش کر رہی ہیں، اس لئے ان معدنیات کو اپنے قابو میں لینا ٹرمپ کے لئے فوری اہمیت رکھتا ہے، تاکہ چین ان پر قابض نہ ہو جائے۔ اسی لئے کفر کے ایجنٹ اپنے اپنے آقا کی خواہشات کی تکمیل کے لئے یمن میں جنگ کی آگ بھڑکا رہے ہیں۔ دردناک واقعات کا یہ سلسلہ نہ صرف یمن بلکہ سوڈان اور دیگر مسلم ممالک میں بھی جاری ہے، جہاں مسلمان ایک دوسرے کو ان جنگوں میں قتل کر رہے ہیں جن کے بارے میں ان کے ایجنٹ حکمران انہیں یہ باور کراتے ہیں کہ ان میں ان کا عظیم مفاد ہے، تاکہ انہیں جان و مال کی قربانی دینے پر اکسایا جا سکے۔ لیکن حقیقت میں یہ جنگیں صرف کفر کے مفادات کے تحفظ کے لئے لڑی جا رہی ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک امت کا طاقتور گروہ بیدار ہو کر ان حکمرانوں کا محاسبہ نہ کرے اور عدل، رحمت اور ہدایت کی ریاست "نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ" قائم نہ کر دے۔ اس کے بعد اللہ کے حکم سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے خیر، آسمانی برکات، نعمت، عزت اور وقار کا دور آئے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿إِنَّ اللَّهَ

بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً﴿ ”بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے“[سورۃ الطلاق؛ 65:3]اور آنے والا کل ان کے لئے قریب ہی ہے جو اس کے منتظر ہیں۔

22رجب 1447ھ

بمطابق 11 جنوری،2026عیسوی

مسلمانوں کے اہلِ قوت اور اثر ورسوخ رکھنے والے حضرات کے نام

اے امتِ مسلمہ کے اہلِ قوت اور اثر ورسوخ رکھنے والے بیٹو اور اس کی فعال قوتوں یعنی علماء، مبلغین اور مفکرین:

- اپنی امت کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اور ظالموں کے مددگار نہ بنو، اور نہ ہی امت کی تقسیم پر جھوٹے گواہ بنو۔
- اپنی وفاداری کو اللہ تبارک و تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اپنی امت کے لیے وقف کر دو، نہ کہ ان سرحدوں کے لیے جو استعمار اور اس کے تابع نظاموں نے بنائی ہیں۔
- امت کے منصوبے، یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے منصوبے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ صرف یہی خون ریزی کو روکنے، دشمن کے حملوں کو پسپا کرنے اور ارادے کو آزاد کرانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

کیونکہ صرف خلافت کے ذریعے ہی ہم اللہ عزوجل کی اطاعت میں اسلامی زندگی گزار سکتے ہیں، صرف خلافت ہی کے ذریعے عزتوں کی حفاظت اور وقار میسر آتا ہے، صرف خلافت ہی کے ذریعے امت متحد ہوتی اور اس کی زمین محفوظ رہتی ہے، اور صرف خلافت ہی کے ذریعے ہم امت کے لوٹے ہوئے مال و دولت اور ضائع شدہ حقوق کو واپس لے سکتے ہیں۔

پس اے امت کے جوانو! حزب التحریر کے ساتھ کام کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاؤ، وہ ہراول دستہ جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا، نہ خیانت کرتا ہے اور نہ ہی غداری کرتا ہے، یہاں تک کہ یہ کوشش امتِ مسلمہ کی فتح و نصرت، غلبے اور دین کے قیام کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ * فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَآئِبِينَ * وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ * وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُواْ أَنفُسَهُم بِمَا كَانُواْ بِآيَاتِنَا يِظْلِمُونَ**﴾ "پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔ پھر ہم اپنے علم سے ان کے سامنے (سارے حالات) بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔ اور اس دن (اعمال کا) تلنا برحق ہے، پھر جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کیا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتی کرتے تھے"۔[سورۃ الاعراف:6-9]

اے اہلِ یمن سفینۂ نجات (کامیابی کی کشتی) کی طرف آجاؤ!

جب ہم دنیا کے تمام لوگوں کے مقابلے میں ایک (واحد) امت تھے، تو ہماری ریاست کا پرچم تمام علاقوں پر سایہ فگن تھا؛ وہی ریاست محافظ تھی، وہی پرورش کرنے والی تھی اور وہی ہر اس شخص کو روکنے والی تھی جو ایک مسلمان پر بھی حملہ کرنے کی ہمت کرتا۔ ہم ایک جسم کی طرح تھے جس کا ایک حصہ دوسرے کی مدد و نصرت کے لیے پکارتا تھا، اور جب جسم کا کوئی ایک عضو تکلیف محسوس کرتا تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا تھا! پھر دشمن سمجھ گئے کہ یہی اتحاد اور یہی ریاست امتِ مسلمہ کی طاقت کا راز اور اس کی حفاظتی ڈھال ہے، چنانچہ انہوں نے اسی ڈھال کو چھیننے کی کوشش کی، اور طویل سالوں تک اس کے لیے انتھک محنت کی، یہاں تک کہ وہ، افسوس کے ساتھ، اپنے مقصد تک پہنچ گئے اور انہوں نے 1924ء میں خلافت کی ریاست کا خاتمہ کر دیا، تاکہ امتِ مسلمہ کو ٹکڑوں میں بانٹ کر اسے اپنے پرانے عہد کی طرف لوٹنے سے روکا جاسکے!

آگاہ ہو جاؤ کہ یمن میں جاری جنگ محض کوئی مقامی یا علاقائی نزاع نہیں ہے، بلکہ یہ علاقائی نمائندوں (ایجنٹوں) کے ذریعے بین الاقوامی اثر و رسوخ کی از سرِ نو تقسیم کا میدان ہے۔ یمن اب محض تصادم کا مرکز نہیں رہا، بلکہ یہ خطے میں امریکہ کی حکمتِ عملی کے لیے ایک حقیقی امتحان بن چکا ہے۔

امریکہ اب انسانی ہمدردی کی بنا پر نہیں، بلکہ خطے کی صورتحال کو اپنے مطابق ڈھالنے اور اپنے سٹریٹجک مفادات کے تحفظ کے لیے یمن کے معاملے کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور اس مقصد کے لیے وہ سعودی عرب کو زمین پر ایک انتظامی آلے کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ سعودی عرب، جس نے سالہا سال تک جنگ کا بوجھ اٹھایا، اسے اب یمنی گروہوں کی رہنمائی اور ان پر دباؤ ڈالنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ امریکی مفادات پورے ہوں، جبکہ امریکہ خود کسی بھی براہِ راست تصادم سے دور رہتا ہے۔

اس پوری صورتحال میں، اصل فاتح وہ نہیں ہے جو زمین پر لڑ رہا ہے، بلکہ وہ ہے جو دور سے بیٹھ کر منصوبہ بندی کر رہا ہے، اور سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے یمن کے وہ لوگ ہیں جو اپنے خون اور تباہی سے اس کی قیمت چکا رہے ہیں، جن کی دولت لوٹی جا رہی ہے، اور جن کے ملک کے اہم جغرافیائی محلِ وقوع کو بین الاقوامی جہاز رانی میں استعمال کیا جا رہا ہے۔

اہل یمن اور امتِ مسلمہ کی دیگر منتشر قوموں کے لیے حقیقی نجات انتظار کرنے یا دوسروں پر بھروسہ کرنے میں نہیں، بلکہ ریاست، وقار اور عزت کی بحالی کے لیے انتھک محنت کرنے میں ہے۔ یہ حزب التحریر ہے، وہ ہراول دستہ جو اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا، وہ آپ کو عمل کی طرف اور کھوئی ہوئی عظمت کی بحالی کی جدوجہد کی طرف پکار رہا ہے۔ پس سفینۂ نجات کی طرف آجاؤ۔

سوڈان میں نظام کے سیکورٹی اداروں نے حزب التحریر کے 9 نوجوانوں کو گرفتار کرلیا

بدھ کی صبح، 25 رجب 1447ھ بمطابق 14 جنوری 2026ء کو ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے نوجوانوں نے شہر ام درمان کے مختلف مقامات پر تین احتجاجی مظاہرے کیے۔ یہ سرگرمی رجب 1342ھ میں ریاستِ خلافت کے انہدام کو 105 سال مکمل ہونے کی یاد دہانی کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی۔ اس کے رد عمل میں سیکورٹی اداروں نے حزب کے پانچ ارکان کو گرفتار کر لیا، جن کے نام یہ ہیں: الرضی محمد ابراہیم، فضل اللہ علی سلیمان، عمر البشیر، حسن فضل، اور مجاہد آدم۔

اسی طرح، ولایہ سوڈان ہی میں حزب التحریر کے نوجوانوں نے شہر العبید میں واقع مسجد کبیر کے صحن میں ایک احتجاجی مظاہرہ کیا، جس سے جمعہ کی نماز کے بعد، 27 رجب 1447ھ بمطابق 16 جنوری 2026ء کو حزب التحریر کے رکن

جناب الندیر محمد حسین نے خطاب کیا۔ اس موقع پر بھی سیکورٹی اداروں نے حزب التحریر کے چار ارکان کو گرفتار کر لیا، جن کے نام یہ ہیں: الندیر محمد حسین، امین عبد الکریم، عبد العزیز ابراہیم، اور احمد موسیٰ۔

الرایہ کا تبصرہ: ان نوجوانوں کا "جرم" صرف یہ ہے کہ وہ امت کو اللہ کی اطاعت میں اس پُر وقار زندگی کی یاد دلاتے ہیں جب امت کی اپنی ایک ریاست تھی جو اسلام کی بنیاد پر قائم تھی۔ وہ یہ احساس دلاتے ہیں کہ ریاستِ خلافت کے خاتمے کے بعد آج ہمارے کیا حالات ہو چکے ہیں، جہاں ہم ذلت و رسوائی کا شکار ہیں اور استعماری کافر مغرب کی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔

کیا وہ شخص جو اسلام اور مسلمانوں کی عزت کی طرف بلائے اور رب العالمین کے فرض (نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ) کے قیام کی پکار لگائے، اسے مجرم قرار دے کر قید کیا جانا چاہیے، یا اس کی عزت افزائی اور اس کی پیروی کی جانی چاہیے؟

منتخب انصاف جو ایک بار پھر ظلم کو جنم دے رہا ہے!

تحریر: استاد احمد الصورانی

(ترجمہ)

شام میں، اسد خاندان کے اقتدار کے خاتمے کے بعد سے، عبوری انصاف کے حصول کی ضرورت کے بارے میں بہت باتیں ہو رہی ہیں، یعنی دوسرے لفظوں میں ایک ایسا انصاف جو ایک ظالم اور جابر نظام سے ایک نئے نظام کی طرف منتقلی کی ضمانت دے سکے جو اس عوام کو انصاف فراہم کرے جس نے چودہ سالوں تک بدترین قسم کے جبر اور تشدد کو سہا ہے۔ لیکن یہاں یہ بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجرم کون ہیں جنہیں قانون کی گرفت میں ہونا چاہیے؟ اور کیا انہیں واقعی اس احتساب اور سزا کا سامنا کرنا پڑا ہے جس کے وہ حقدار ہیں۔ جو غمزدہ ماؤں کے دلوں کو سکون پہنچا سکے، اور عام طور پر دکھی شامی عوام کے زخموں پر مرہم رکھ سکے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ سب سے پہلے بشار الاسد کی حکومت کی سیاسی، فوجی اور سیکورٹی قیادت کا احتساب ہونا چاہیے۔ تاہم، حقیقت اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے؛ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو معاف کر دیا گیا ہے یا انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، سابق وزیر اعظم محمد غازی الجلالی سے دمشق کی آزادی کے دن ملاقات کی جاتی ہے، اور دمشق میں اقتدار سنبھالنے کے دوران، انہیں گرفتار کرنے اور ان پر مقدمہ چلانے کے بجائے، ان کے ساتھ دوستانہ گفتگو کا تبادلہ کیا جاتا ہے، اور پھر بعد میں ہم انہیں آزادی کی سالانہ تقریبات میں شریک ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں!

جہاں تک فادی صقر کا تعلق ہے، جو فوجی، سیکورٹی اور سرکاری غنڈوں کے جرائم کے سرغنوں میں سے ایک ہے، وہ سول امن کمیٹی کے بانی ارکان میں سے ایک بن چکا ہے، اور وہ "ان کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے نہیں ہیں" جیسے مبہم اور غیر واضح عنوان کے تحت جیلوں سے سرکاری غنڈوں اور حکومتی فوجیوں کو رہا کرانے کے لیے ثالثی کر رہا ہے، حالانکہ خود فادی صقر کا ملوث ہونا اور اس کے ہاتھوں کا خون سے رنگا ہونا ثابت ہے، اور وہ دمشق میں تضامن محلے کے قتلِ عام اور نیشنل ڈیفنس فورسز کے جرائم کا براہِ راست ذمہ دار ہے جس کی وہ قیادت کر رہا تھا۔

اور سابقہ حکومت کے وہ جج، جنھوں نے ہزاروں بے گناہوں کے خلاف سزائے موت اور طویل قید کے احکامات جاری کیے تھے، ان میں سے کچھ شام کی نئی انتظامیہ کی عدالتوں میں معمول کے مطابق اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں، اور وہ انہی قوانین کے تحت فیصلے کر رہے ہیں جو سابقہ حکومت نے بنائے تھے، اور یہ وہی قوانین ہیں جو اس بدبختی اور ظلم کی اصل وجہ تھے جس کا شامی عوام نے سامنا کیا۔

یہی حال حکومت کے معاشی ستونوں کا بھی ہے، جیسے محمد حمشو، جس کی بریت کے پروانے پر دستخط کر دیے گئے، اور ماضی کے جرائم کو ایک قلم کی جنبش سے ختم کر دیا گیا، تاکہ وہ بغیر کسی احتساب کے اپنا کاروبار جاری رکھ سکے، حالانکہ وہ اپنے جرائم اور بشار الاسد کی حکومت کی غیر محدود مالی مدد کرنے پر مقدمے اور سزا کا مستحق ہے، اور یہ وہی مالی امداد تھی جو انقلابیوں کے قتل عام میں براہِ راست استعمال ہوئی۔

یہاں تک کہ اسد حکومت کی وہ نمایاں شخصیات جنہیں گرفتار کیا گیا، جیسے وزیر داخلہ محمد الشعار، جو پولیٹیکل سیکورٹی برانچ کے سربراہ کے طور پر بھی خدمات انجام دے چکے ہیں، اور عاطف نجیب، جو درعا میں ملٹری سیکورٹی برانچ کے سربراہ اور بشار کے خالہ زاد بھائی ہیں، جنہوں نے انقلاب کے آغاز میں درعا میں احتجاجی لہر کو بھڑکانے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا، مزید برآں ایئر فورس انٹیلی جنس کے سربراہ ابراہیم حویجہ، اور حکومت کے مفتی احمد حسون؛ ان کی ایسی ویڈیوز بنائی گئیں جن میں انہیں مقدمات کا سامنا کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ ایک پورا سال گزر جانے کے بعد بھی ان کے مقدمات ختم نہ ہوئے ہوں، اور اب تک ان پر کوئی ایسی چیز ثابت نہ ہو سکی ہو جس کی بنا پر ان پر قصاص کا حکم نافذ کیا جاتا، یا کم از کم نئی انتظامیہ کے اپنائے ہوئے ملکی قانون کے مطابق ان پر مقدمہ چلایا جاتا؟!

حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں سے کسی پر بھی حقیقت میں مقدمہ نہیں چلایا گیا، اور نہ ہی مجرم حکومت کے کارندوں میں سے کسی کا احتساب کیا گیا ہے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں گروہ در گروہ رہا کیا جا رہا ہے، یہاں تک کہ جیلیں ان سے خالی ہونے کے قریب پہنچ چکی ہیں!

دوسری طرف، اسد حکومت کے غنڈوں اور اس کے آلہ کاروں کی بڑے پیمانے پر رہائی کا عمل ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب حزب التحریر کے تقریباً تیس نوجوانوں کے خلاف مقدموں کی سنوائی ہو رہی ہے اور جن کے خلاف تین سے دس سال تک کی ظالمانہ سزائیں سنائی گئی ہیں۔ حالانکہ یہ سب "آزادی" سے پہلے ہی گرفتار تھے، اور انہیں گرفتار کرنے والوں کے نزدیک ان کا واحد جرم ان کی "رائے" تھی، کیونکہ ان نوجوانوں نے اس وقت "ہیئت تحریر الشام" کی جانب

سے محاذوں کو منجمد کرنے، ترکی کے اثر و رسوخ کے سامنے جھکنے اور ان ممالک کے احکامات ماننے کی مخالفت کی تھی جو مجرم نظام کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کوششوں کا مقصد امریکی سیاسی حل اور قرارداد نمبر 2254 کا نفاذ تھا، جس کے تحت اپوزیشن کو اسد حکومت میں ضم کر کے ایک مشترکہ حکومت بنانا اور آلِ اسد کے ماضی کے جرائم کو فراموش کرنا مقصود تھا۔

یہ ظلم صرف حزب التحریر کے نوجوانوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ دیگر ضمیر کے قیدیوں تک بھی پھیل گیا ہے، جن میں سے کچھ تو آزادی سے پہلے ہی گرفتار تھے جیسے شیخ ابو شعیب المصری اور ابو یحییٰ الجزائری۔ جبکہ بعض کو حال ہی میں جولانی حکومت کے خلاف رائے رکھنے، یا سوشل میڈیا پر کسی ویڈیو یا تبصرے کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال امریکی صحافی بلال عبد الکریم کی شہر "الباب" میں گرفتاری ہے، جہاں ان کے ساتھ کسی جنگی مجرم جیسا سلوک کیا گیا، راستے بند کیے گئے اور بڑی تعداد میں فوجی گاڑیوں کے ذریعے ان کا محاصرہ کیا گیا۔ اسی طرح میڈیا سے وابستہ مراد محلی کو "جرابلس" شہر میں ان کے گھر پر چھاپہ مار کر، اہل خانہ کی توہین کر کے اور ان کے میڈیا کے آلات توڑ کر گرفتار کیا گیا۔

انقلاب کے حامی مہاجرین بھی اس جبر اور گرفتاریوں سے محفوظ نہ رہ سکے، جیسے ابو دجانہ ترکستانی اور ابو اسلام ازبکستانی، اس کے علاوہ نئی انتظامیہ کی سیکورٹی فورسز نے فرانسیسی مہاجرین کے کیمپ پر بھی فوجی حملہ کیا، جسے بعد میں میڈیا کے دباؤ پر واپس لیا گیا۔

یہاں تک کہ جو لوگ علیحدگی پسندوں کی بغاوت ختم کرنے کے لیے جنگی محاذ کھولنے کا مطالبہ کرتے ہیں، ان کا انجام بھی یہی ہوتا ہے، جیسا کہ کارکن ابو شابوح الفراتی کے ساتھ ہوا، جنہوں نے ایک ویڈیو بیان میں متعدد جنگجوؤں کے ساتھ مل کر شام کے "الجزیرہ" علاقے کو علیحدگی پسند "قسد" (SDF) فورسز سے آزاد کرانے کی اپیل کی تھی، جس کے بدلے میں انہیں جیل بھیج دیا گیا۔

جو کچھ ہم آج دیکھ رہے ہیں وہ واضح طور پر مجرموں اور قاتلوں کے لیے رواداری، معافی اور درگزر کا اعلان ہے، جو انصاف کے معیارات کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ دوسری طرف، کلمۂ حق اور اپنی رائے پیش کرنے والوں کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور انہیں مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے، جو کہ قانون اور اس آئینی اعلامیے کی صریح خلاف ورزی ہے جسے خود اس انتظامیہ نے اپنایا تھا۔ اس کے علاوہ، بیرونی ہدایات کی خوشنودی کے لیے ان مہاجرین کو بھی مجرم بنایا جا رہا ہے جو کبھی مظلوم

انقلابی عوام کی مدد کے لیے آئے تھے، خاص طور پر جب سے اس انتظامیہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے امریکی اتحاد میں شمولیت اختیار کی ہے، جس کا مغربی تصور دراصل اسلام دشمنی ہے۔

دوسرے لفظوں میں، شامی انتظامیہ نہ تو حقیقی عبوری انصاف پر عمل پیرا ہے اور نہ ہی انصاف کے کم سے کم معیارات کو اپنا رہی ہے۔ بلکہ وہ شامی عوام کے ایک بڑے طبقے اور اس انقلابی حلقے کے خلاف "انتخابی سیاسی دشمنی" برت رہی ہے جو آج خود کو، ہر سطح پر نظر انداز کیے جانے اور ان انقلابی اہداف کے مطالبے پر سزاؤں کا سامنا کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، جن کے لیے وہ نکلے تھے۔ یہ سب اس وقت ہو رہا ہے جب سابقہ حکومت کے حامیوں کو قریب لایا جا رہا ہے اور انہیں انقلابی حلقے کے متبادل کے طور پر جیتنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

عبوری انصاف کوئی محض نعرہ یا میڈیا کی تشہیر کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حقیقی راستہ ہے جو تمام مجرموں کے بلا تفریق احتساب، متاثرین کو بغیر کسی امتیاز کے انصاف کی فراہمی، اور بغیر کسی جانبداری کے آزادیِ اظہارِ رائے کے تحفظ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی سیاسی منصوبہ جو ان اقدار کو نظر انداز کرتا ہے، یا انصاف کے بدلے سودے بازی اور احتساب کے بجائے خوشامد کو جگہ دیتا ہے، وہ کبھی ایک مستحکم ریاست کی بنیاد نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ ایسا منصوبہ ظلم کو ایک نئے لباس میں دوبارہ جنم دے گا اور ایک ناگزیر تصادم کے بیج بوئے گا۔ لہٰذا، یا تو وہ حقیقی انصاف ہو گا جو خون اور قربانیوں کا حق ادا کرے اور یہ صرف نظامِ اسلام کے نفاذ سے ہی ممکن ہے، یا پھر ہم ایک ایسی تاریک سرنگ کی طرف بڑھ رہے ہیں جو شامیوں کی امیدوں کو خطرے میں ڈال دے گی اور "آزادی" کو اس کے اصل معنی سے محروم کر دے گی۔

اردن اور پاکستان کے درمیان دفاعی تعاون: خدوخال اور سوالات

تحریر: استاد سعد الدین خالد

(ترجمہ)

اردن اور پاکستان نے دونوں ممالک کے درمیان دفاعی اور تربیتی تعاون کو بڑھانے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا؛ یہ بات عمان میں اردنی فوج کے چیف آف جوائنٹ اسٹاف میجر جنرل یوسف الحنیطی کی جانب سے پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل عاصم منیر کے استقبال کے دوران سامنے آئی۔

اردنی فوج کیجانب سے جاری کردہ ایک بیان میں بتایا گیا کہ دونوں جانب سے "مشترکہ فوجی تعاون اور ہم آہنگی کے پہلوؤں اور دونوں ممالک کی مسلح افواج کے درمیان دوطرفہ تعاون کے تعلقات کو مزید مضبوط بنانے کے طریقوں" پر بات چیت کی گئی۔ یہ دورہ جنرل عاصم منیر کے اکتوبر 2025 کے اواخر میں مملکت کے گزشتہ دورے، اور اردن کے شاہ عبداللہ دوم کے پاکستانی دارالحکومت اسلام آباد میں 'گلوبل انڈسٹریل اینڈ ڈیفنس سلوشنز' (GIDS) کمپنی کے دورے کا تسلسل ہے، جہاں بادشاہ نے اس سرکاری کمپنی کے کام کا معائنہ کیا تھا جو جدید ٹیکنالوجی سے لیس دفاعی آلات کی تحقیق، ترقی اور تیاری میں مہارت رکھتی ہے۔

دونوں ریاستوں کے درمیان باہمی دورے کوئی نئی بات نہیں ہیں، کیونکہ ان کے درمیان تعلقات تاریخی ہیں، لیکن حالیہ واقعات اور کشیدہ علاقائی صورتحال نے نئے راستے متعین کر دیے ہیں۔ ان اقدامات کے بارے میں مختلف آراء سامنے آئی ہیں؛ بعض لوگ اسے بھارت اور یہوسی وجود کے درمیان سٹریٹیجک اتحاد سے جوڑتے ہیں، جو پاکستان کی قومی سلامتی کے لیے براہ راست چیلنج ہے۔ اس رائے کے حامل افراد کا خیال ہے کہ اردن اور پاکستان کے تعلقات میں پیشرفت، یہودی وجود کی جانب سے بھارت کو فراہم کیے جانے والے جدید فضائی دفاعی نظام، جیسے کہ 'براک' سسٹم، 'ہرمیس' ڈرون طیارے اور الیکٹرانک وارفیئر ٹیکنالوجی کا مقابلہ کرنے کے لیے ہے، جو سرحدی تنازعات میں نئی دہلی کی صلاحیتوں کو تقویت دیتے ہیں۔

تاہم، حقیقت بالکل مختلف ہو سکتی ہے؛ کیونکہ یہودی وجود کے ساتھ اردن کے تعلقات اس قدر گہرے ہیں کہ ایسے کسی اتحاد میں اردن کی شمولیت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا جو یہودی وجود کی سلامتی کے لیے خطرہ بنے، نہ صرف 'وادی عربہ' معاہدے کی پابندیوں کی وجہ سے، بلکہ اس لیے بھی کہ اردنی نظام اور یہودی وجود کے درمیان تعلقات کی نوعیت تمام رسمی تحفظات سے بالاتر ہے، اور یہ تعلق سب پر عیاں ہے؛ چنانچہ اردن یہودیوں یا ان کے دیگر طاقتوں کے ساتھ تعلقات کے خلاف کوئی اتحاد قائم نہیں کرتا۔

اسی طرح، اس قربت کو مغربی کنارے میں انتہا پسند دائیں بازو کے اقدامات کا نتیجہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، جیسا کہ بعض لوگ یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ یہ دورہ "فلسطینی کاز کے حوالے سے اردن کے موقف کو مضبوط کرتا ہے" یا "یہودی وجود پر دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ کشمیر جیسے مسائل پر بھارت کی حمایت سے پیچھے ہٹ جائے"۔ یہ نظریہ جو ترکی یا سعودی عرب کے ساتھ سہ فریقی معاہدوں کے ذریعے یہودی وجود کے "جغرافیائی اور سفارتی گھیراؤ" کی بات کرتا ہے، سیاسی حقیقت پسندی سے عاری ہے؛ کیونکہ پاکستان امریکی سیاسی پالیسیوں کی مکمل پیروی کرتا ہے، بلکہ اس نے کشمیر کے معاملے میں بھی رعایتیں دی ہیں جو کہ اس کی اپنی سرزمین کا حصہ ہے، تو وہ فلسطین کو کیا حقیقی فائدہ پہنچا سکتا ہے جبکہ خطے کا اصل طاقتور کھلاڑی امریکہ ہے جس کے ہاتھ میں اس مسئلے کی تمام ڈوریں ہیں؟!

یہ وضاحتیں حقیقت سے دور معلوم ہوتی ہیں، اور شاید معاملہ اس سے کہیں زیادہ گہرا اور خطرناک ہے؛ کیونکہ یہ امریکی افواج کی نئی پوزیشننگ اور اپنے وزن کو مغربی نصف کرہ کی طرف منتقل کرنے پر مبنی نئی امریکی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ ٹرمپ انتظامیہ براہ راست مداخلت میں صرف ان صورتوں میں محدود فائدہ دیکھتی ہے جہاں اقتصادی مفاد یا اس کے مفادات کو واضح خطرہ لاحق ہو، اور اسے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے متبادل یا گماشتہ (proxy) افواج کی ضرورت ہے۔ واشنگٹن کو اس کردار کے لیے ان ممالک سے بہتر کوئی نہیں ملے گا جو اس کے زیر اثر ہیں اور اس کے کارندے کے طور پر "اسلامی فوجی تعاون" یا "عرب نیٹو" کے نام پر یہ کام انجام دیں۔ لہٰذا، توقع یہی ہے کہ یہ معاہدے ان متبادل افواج کے لیے ایک پیش خیمہ ثابت ہوں گے جو امریکی انخلاء کی صورت میں ان کی جگہ لیں گی، جبکہ عوام کے جذبات کے ساتھ یہ دعویٰ کر کے کھیلا جائے گا کہ یہ اقدامات "ہندو-یہودی" اتحاد کے خلاف ہیں یا فلسطینی کاز کی خدمت کے لیے ہیں۔

خلاصہِ کلام یہ کہ یہ افواج ان کے لیے طے شدہ مخصوص فنکشنل کرداروں سے باہر نہیں نکلیں گی، اور نہ ہی یہودی وجود کے ساتھ تعلقات کو ٹھیس پہنچائیں گی۔ یہ واقعی دکھ کی بات ہے کہ ان افواج کو بڑی طاقتوں کے مفادات کے لیے حرکت

دی جاتی ہے، جبکہ وہ کشمیر یا فلسطین میں امت کے معاملات کی میں مدد فراہم کرنے سے قاصر ہیں، حالانکہ ان کا اصل مقصد اسلام کی بنیادوں کی حفاظت کرنا ہے نہ کہ اس کے دشمنوں کے مفادات کی نگہبانی کرنا۔

حزب التحریر/ ولایہ اردن کا میڈیا آفس: سیمینار "بنیادی حل اور امت کا فیصلہ کن مسئلہ"

حزب التحریر ولایہ اردن کے میڈیا آفس نے ریاستِ خلافت کے انہدام کی 105 ویں برسی کے موقع پر ایک ڈیجیٹل سیمینار کا انعقاد کیا جس کا عنوان تھا: "بنیادی حل اور امت کا فیصلہ کن مسئلہ"۔ اس سیمینار میں درج ذیل اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی:

- خلافت کے انہدام کی یاد میں حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم شیخ عطا بن خلیل ابو الرشتہ (حفظہ اللہ) کے خطاب کے اہم نکات۔
- سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کا دیوالیہ پن اور امت کو اس کے اصل مقصد سے بھٹکانے کی کوششیں۔
- خلافت: اس کا شرعی حکم، اس کے وجوب کے دلائل، اور اس کی بحالی کا طریقہ کار۔

سیمینار میں عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی جنھوں نے مختلف سوالات کے ذریعے اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ ان کے سوالات امت کے فیصلہ کن مسائل کے بنیادی حل کے طور پر ریاستِ خلافت کے قیام کی ضرورت، اس کی بحالی کے لیے کام کرنے کے شرعی حکم اور اس کے دلائل، اور اس کے قیام کے اس طریقے کے گرد گھومتے تھے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ریاست قائم کی تھی۔ یہ شرکاء کے جذبات امت کی جانب سے اسلامی ریاست کی واپسی کی تڑپ اور اس عظیم مقصد سے ان کی گہری وابستگی کی عکاسی کررہے تھے۔

مقررین نے سیمینار کے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے یا اٹھائے گئے سوالات کے جوابات میں جہاں ضرورت محسوس کی، تفصیل سے جواب دیا۔ وہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کی واپسی کی ضرورت پر زور دینے اور اس کے قیام کے لیے بھرپور کوشش کرنے کی جانب توجہ مبذول میں کامیاب رہے۔

خلافت دورِ حاضر کی ٹیکنالوجی اور سٹریٹجک صلاحیتوں کے ساتھ چلنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے

اگر آج خلافت قائم ہو جائے تو وہ دنیا کی موجودہ ٹیکنالوجی اور تزویراتی (سٹریٹجک) صلاحیتوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہماری امت کے لاکھوں بیٹے علم و دانش کے حصول کے لیے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں؛ دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں اور تحقیقی مراکز میں مسلمان سائنسدان بھرے پڑے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ جب ان ماہرین اور طلبہ نے غزہ کی حمایت میں دنیا کی مقتدر ترین یونیورسٹیوں میں بڑے پیمانے پر مظاہرے اور دھرنے دیے، تو اس نے پورے مغرب کو پریشان کر کے رکھ دیا۔

رہی بات "ذہانت کے ضیاع" یا برین ڈرین (Brain Drain) کی، تو یہ ایک عارضی مسئلہ ہے جو موزوں حالات میسر آتے ہی پلٹ جائے گا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جب بھی کسی مسلم ملک میں بدعنوانی سے نجات اور تعمیرِ نو کی کوئی امید پیدا ہوتی ہے، تو دنیا بھر سے اس کے قابل بیٹے اپنے علم و فن کے ساتھ اس کی ترقی میں حصہ لینے کے لیے کھچے چلے آتے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ امت کے پاس دنیا بھر میں پھیلے ہوئے باصلاحیت ماہرین موجود ہیں، اسے بس ایک " محفوظ

گھر "(ریاست) بنانے کی ضرورت ہے۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ کیسے اس کے بیٹے ایک بچھڑے ہوئے دریا کی طرح واپس لوٹیں گے تاکہ اسے دنیا کی صفِ اول کی ریاست بنا سکیں۔

چنانچہ حزب التحریر امتِ مسلمہ کے مخلص بیٹوں کو پکارتی ہے کہ وہ نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے کام کرنے والے قافلے میں شامل ہو جائیں۔ انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ کمزوری یا بکھراؤ کا عذر پیش کر کے اس کے قیام کو مؤخر کرنے کے تمام دعوے محض وہم ہیں جن سے جلد از جلد چھٹکارا پانا ضروری ہے۔

غزہ کی پٹی کا المیہ: نئی نسل کے شعور کے خلاف جاری جنگ اور میڈیا کا میدان

تحریر: استاد حیات اللہ الاوزبیکی

(ترجمہ)

اکیسویں صدی میں فتح کا معیار اب صرف ٹینکوں، طیاروں یا میزائلوں جیسی فوجی برتری نہیں رہا، بلکہ خبروں کا میدان، عوامی شعور کی تشکیل اور نئی نسل کے افکار پر اثر اندازی اب تنازعات میں فیصلہ کن اہمیت اختیار کر چکے ہیں۔ واقعات کی تشریح، ذہنی تصورات کی تخلیق اور عوام کے لیے مخصوص اصطلاحات کا انتخاب عصرِ حاضر کی سیاسی حقیقت کا ناگزیر حصہ بن چکا ہے۔ اسی تناظر میں ایک اہم واقعہ سامنے آیا ہے کہ یہودی وجود نے نئی نسل کے نوجوانوں اور عالمی رائے عامہ کے لیے خبری مواد تیار کرنے کی خاطر ایک نجی میڈیا کمپنی کے ساتھ ایک خطیر مالی معاہدہ کیا ہے۔

میڈیا کی جنگ میں سب سے اہم پہلو بذاتِ خود واقعہ نہیں ہوتا بلکہ وہ سیاق و سباق ہوتا ہے جس میں اسے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر کسی واقعے کو بار بار "دفاعِ خود اختیاری" اور دوسرے فریق کو "خطرہ" قرار دیا جائے، تو وقت گزرنے کے ساتھ یہ تشریحات عوامی رائے میں مسلمہ حقائق بن جاتی ہیں۔ فطرت کا ایک اٹل قانون یہ ہے کہ ظاہری صورت ہمیشہ حقیقت کی عکاسی نہیں کرتی۔ جس طرح لٹمس پیپر پانی کی ظاہری شفافیت کے باوجود اس کی قاتل تیزابیت کو بے نقاب کر دیتا ہے، اسی طرح کچھ مخصوص واقعات "سیاسی لٹمس پیپر" کا کام کرتے ہیں اور دہائیوں سے بنے بنائے تصورات کو لمحوں میں پاش پاش کر دیتے ہیں۔

ان نمایاں ترین واقعات میں وہ نسل کشی بھی شامل ہے جو یہودی جود غزہ کی پٹی میں کر رہا ہے۔ اس نے مغربی سیاسی نظام کے اس اصل چہرے کو بے نقاب کر دیا ہے جس نے طویل عرصے تک خود کو انسانی حقوق، بچوں اور خواتین کا محافظ بنا کر پیش کیا تھا؛ اسی طرح اس نے یہودی وجود کی اس حقیقت کو بھی عیاں کر دیا ہے جسے ایک ایسے وجود کے طور پر پیش کیا جاتا تھا جو ناقابلِ شکست ہے اور محض اپنا دفاع کر رہا ہے۔ یہ انکشاف محض فوجی میدان تک محدود نہیں، بلکہ ڈیجیٹل پلیٹ فارمز اور نئی نسل کے ذہنوں پر قبضے کی ایک جامع جنگ سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

آزاد ذرائع سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق یہودی وجود نے نئی نسل کے شعور کو متاثر کرنے کے لیے "کلاک ٹاور ایکس ایل ایل سی" (Clock Tower X LLC) نامی کمپنی کے ساتھ تقریباً ساٹھ لاکھ ڈالر کا معاہدہ کیا ہے۔ یہ محض ایک عام اشتہاری مہم نہیں بلکہ ایک طویل مدتی خبری حکمتِ عملی کا حصہ ہے۔ اس منصوبے کا 80 فیصد مواد خاص طور پر "جنریشن زیڈ" (Gen Z) کے لیے تیار کیا جائے گا جن کا شعور ڈیجیٹل دنیا میں پروان چڑھ رہا ہے۔ یہ انتخاب اتفاقی نہیں ہے کیونکہ یہی نسل مستقبل میں سیاسی فیصلوں پر اثر انداز ہونے والی قوت بنے گی۔

یہ منصوبہ ٹک ٹاک، انسٹاگرام، یوٹیوب اور پوڈکاسٹ جیسے پلیٹ فارمز پر مختصر اور اثر انگیز مواد کے ذریعے کام کرتا ہے۔ ان پلیٹ فارمز پر معلومات اور خبروں کو گہرے تجزیے کے بجائے صرف جذباتی اثر انگیزی کے ذریعے قبول کیا جاتا ہے۔ مختصر ویڈیوز، تصاویر اور سادہ پیغامات کے ذریعے پیچیدہ سیاسی حقائق کو ایک مخصوص اور یکطرفہ سیاق و سباق میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ کار تنقیدی سوچ کو کمزور کرتا ہے اور لوگوں کو بنے بنائے نتائج قبول کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔

غزہ کی حقیقت کو بھی انھی طریقوں سے مختلف رنگوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک طرف بچوں اور عورتوں کے قتلِ عام اور بے مثال وحشیانہ پن پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے، تو دوسری طرف مخصوص میڈیا مہمات کے ذریعے ان حالات کا جواز پیش کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

۱۔ نئی خبری ویب سائٹس اور معلومات کا سیاق و سباق: اس معاہدے میں ایسی خبری ویب سائٹس کا آغاز اور تجزیاتی مواد و مقالات کی اشاعت شامل ہے جو بظاہر آزاد ذرائع معلوم ہوتے ہیں، لیکن در حقیقت یہ ایک متحدہ سیاسی منصوبے کی تکمیل کرتے ہیں۔

۲۔ مصنوعی ذہانت (AI) کے نظاموں پر بالواسطہ اثر اندازی: دورِ حاضر کا ایک حساس اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ ڈیجیٹل مواد میں کسی خاص نقطہ نظر کی بھرمار کر کے مصنوعی ذہانت کے جوابات کو متاثر کیا جائے۔ "چیٹ جی پی ٹی" (ChatGPT) اور "جیمنی" (Gemini) جیسے نظام اپنے تجزیے کے لیے دستیاب مواد کی کثرت پر انحصار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے من گھڑت بیانیہ ان کے الگورتھمز کے نزدیک ترجیحی ماخذ بن سکتا ہے۔

یہ صورتحال ایک بنیادی سوال کھڑا کرتی ہے کہ اگر معلومات کے ذرائع کو مصنوعی طور پر کئی گنا بڑھا دیا جائے، تو حقیقت اور گمراہی کے درمیان کی سرحدیں کہاں غائب ہو جائیں گیں؟ اور حقیقت کے معیار کون طے کرے گا؟

مغربی سیاسی فکر نے دہائیوں تک خود کو ایک ایسے نظام کے طور پر پیش کیا جو آزادی اور انسانی قدروں پر مبنی ہے، لیکن غزہ کے مصائب نے ان دعووں کی عملی حیثیت کو باطل کر دیا ہے۔ رہائشی علاقوں پر اندھا دھند بمباری، خواتین اور بچوں کا قتل، اور طبی و تعلیمی اداروں کی تباہی نے انسانی حقوق کے نعروں کا پول کھول دیا ہے۔ مسئلہ صرف فوجی کارروائی کا نہیں ہے، بلکہ بین الاقوامی خاموشی اور دوہرا معیار اصل مسئلہ ہے، جس نے ثابت کر دیا ہے کہ غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک منظم پالیسی ہے، کوئی اتفاقی واقعہ نہیں۔

"طوفانِ اقصیٰ" کی کارروائی ناانصافی، دوغلے پن اور انسانی شعور میں جمع ہونے والے فکری بحران کے خلاف ایک دوٹوک انکار کی علامت بن کر ابھری ہے۔ یہ پکار کسی خاص مذہب یا نسل تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کی بنیاد فطری انسانی اقدار پر تھی، جس کی وجہ سے واشنگٹن، لندن، پیرس اور برلن میں ہونے والے مظاہرے سیاسی نظاموں کے لیے ایک بے مثال امتحان ثابت ہوئے۔

ڈیجیٹل پلیٹ فارمز اور مصنوعی ذہانت کے ذریعے حقیقت کو مسخ کرنے کی تمام تر کوششوں کے باوجود سچائی کو مکمل طور پر مٹایا نہیں جا سکتا۔ تاہم، امتِ مسلمہ کے افراد کو پوری طرح بیدار رہنے کی ضرورت ہے، اور ہر خبر اور ذریعے کو قبول کرنے سے پہلے اس کا باریک بینی سے تجزیہ کرنا چاہیے۔

آج انسانیت ایک تاریخی موڑ پر کھڑی ہے: یا تو وہ میڈیا کی گمراہی پر مبنی نظام کو قبول کر لے، یا پھر حقیقی انسانی اقدار، انصاف اور خالص شعور پر مبنی نئے سیاسی و فکری معیارات وضع کرے۔ غزہ کا المیہ ہمیں پوری شدت اور وضاحت کے ساتھ اسی انتخاب کے سامنے کھڑا کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ**﴾ "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے کیے پر نادم ہو جاو" (سورۃ الحجرات: آیت 6)۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «**كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِباً أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ**» "کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات (بغیر تحقیق کے) بیان کر دے"

خلافت کے انہدام کی یاد: شعور کا سبق اور بیداری کی سنت

تحریر: استاد سمیع یحیٰ –ولایہ یمن

(ترجمہ)

خلافت کا انہدام محض کوئی عارضی تاریخی واقعہ نہیں تھا، اور نہ ہی یہ کوئی ایسی جذباتی یاد ہے جس پر محض رونے اور مرثیہ خوانی کرنے پر اکتفا کیا جائے، بلکہ یہ ایک ایسا سیاسی اور تہذیبی زلزلہ تھا جس کی مثال امت نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے اب تک نہیں دیکھی تھی۔ اس دن صرف ایک ریاست ہی نہیں گری تھی، بلکہ وہ جامع سیاسی ڈھانچہ منہدم ہو گیا تھا جو دین کی حفاظت کرتا تھا، امت کی نگہبانی کرتا تھا، اور اسے شریعت کی بالادستی کے تحت متحد رکھتا تھا۔ اسی لیے احمد شوقی نے سچ کہا جب انہوں نے میناروں اور منبروں کو نوحہ کناں دکھایا، اور ہند، مصر، شام، عراق اور فارس کو روتا ہوا پیش کیا، کیونکہ ان سب کو ادراک ہو گیا تھا کہ جو کچھ گرا ہے وہ محض کوئی عثمانی عمارت نہیں تھی، بلکہ پوری امت کا وجود تھا۔

28 رجب 1342ھ بمطابق 3 مارچ 1924ء کو ایک نہایت منظم سازش اور جرم کی تکمیل ہوئی، جس کی قیادت یورپی ممالک اور بالخصوص برطانیہ کر رہا تھا، اور جسے مصطفیٰ کمال کے ذریعے مقامی ہاتھوں سے انجام دیا گیا۔ چنانچہ خلافت کو گرا دیا گیا، اور قابض افواج استنبول سے اس وقت تک نہیں نکلیں جب تک انہیں اس بات کا پورا یقین نہیں ہو گیا کہ انہوں نے خلافت کو جڑوں سے اکھاڑ دیا ہے، اور ایک ایسی سیکولر ریاست قائم کر دی ہے جو اسلام کو حکومت سے الگ رکھے گی، شریعت کو زندگی سے بے دخل کرے گی، اور امت کو ایک واحد سیاسی گروہ کے بجائے بکھری ہوئی ریاستوں اور سرحدوں کے میں تبدیل کر دے گی۔

خلافت کے اس انہدام سے محض کوئی حکمران یا تخت نہیں گرا، بلکہ تصورات و نظریات گر گئے: عقیدے پر مبنی ریاست کا تصور ختم ہو گیا اور اس کی جگہ مفادات پر مبنی ریاست کے تصور نے لے لی، سیاسی اخلاقیات ختم ہو گئیں اور ان کی جگہ نفع پرستی اور موقع پرستی نے لے لی، اور دارالاسلام کا وہ سایہ ختم ہو گیا جو دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا۔

اس یاد کا تذکرہ ماضی کی محض کوئی یادگار یا تاریخ کو دہرانا نہیں ہے، بلکہ یہ بیماری کی تشخیص اور فتح و زوال کے اصولوں کا بیان ہے۔ کیونکہ خلافتِ عثمانیہ جب قائم ہوئی تھی تو وہ جہاد، شریعت اور نظم و ضبط پر قائم ہوئی تھی، اور جب وہ کمزور ہوئی تو یہ اچانک نہیں ہوا تھا، بلکہ اس وقت ہوا جب انحراف جمع ہوتا گیا، عربی زبان کو نظر انداز کر دیا گیا، اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا، تربیت کو چھوڑ دیا گیا، اور نظریاتی و فکری کج روی سے درگزر کیا گیا، جس کا نتیجہ اقتدار کے چھن جانے کی صورت میں نکلا، کیونکہ اللہ کی سنتیں کسی کی رعایت نہیں کرتیں۔

لیکن خود خلافت کے انہدام سے زیادہ خطرناک وہ صورتحال تھی جو اس کے بعد پیدا ہوئی، کیونکہ سیاسی خلا کو یونہی نہیں چھوڑا گیا بلکہ اسے دو بڑی دیواروں سے بھر دیا گیا جنہوں نے امت کے دوبارہ ابھار کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر دی:

پہلی دیوار: وہ حکمران ہیں جنہوں نے استعمار کی وراثت پائی اور اس کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا، چنانچہ انہوں نے طاقت کے زور پر امت کو اپنی وحدت بحال کرنے اور اسلام کے مطابق حکمرانی کرنے سے روک دیا۔

جہاں تک دوسری دیوار کا تعلق ہے، تو وہ سب سے زیادہ خطرناک ہے: اور وہ ہے اندرونی طور پر شعور کو مسخ کرنا۔ یہ کام ان اسلامی اور غیر اسلامی گروہوں کے ذریعے کیا گیا جو یا تو اس کھیل کا حصہ بن گئے جسے استعمار نے وضع کیا تھا، یا انہوں نے دین کو محض انفرادی اخلاق اور تنہائی کی عبادتوں تک محدود کر دیا، یا پھر انہوں نے "بری الذمہ ہونے" کا نعرہ بلند کیا تاکہ لوگوں کو اس بات پر قائل کر سکیں کہ اللہ کے ہاں خاموشی، جزوی کام، یا سیاست سے کنارہ کشی ہی کافی ہے! اس طرح دینداری کے نام پر امت کو لوری دے کر سلا دیا گیا، اور ایک اصولی سیاسی جماعت کے تصور کو بگاڑ دیا گیا، حالانکہ تاریخ اور شریعت دونوں مل کر یہ طے کرتے ہیں کہ دین محض افراد کے ذریعے قائم نہیں ہوتا، اور اللہ کا پیغام کسی ریاست یا ڈھانچے کے بغیر نہیں اٹھایا جا سکتا، اور امت کو ایک باشعور اور منظم گروہ کے بغیر دوبارہ تیار نہیں کیا جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ خلافت کے انہدام کی یاد منانے کا مقصد بڑے حقائق کو واضح کرنا ہے، یعنی یہ کہ مسلمانوں کی وحدت کوئی تعیش نہیں ہے، اور اصولی سیاسی و اجتماعی جدوجہد کوئی بدعت نہیں ہے، اور خلافت کوئی رومانوی خواب نہیں، بلکہ ایک شرعی، عقلی اور تاریخی ضرورت ہے، جس کے ذریعے دین کی مرکزیت محفوظ رہتی ہے، حدود اللہ قائم کی جاتی ہیں، عزتوں کی حفاظت ہوتی ہے، اور امت بکھراؤ اور غلامی سے بچی رہتی ہے۔

اسی طرح یہ یاد نئی نسلوں کو ان کی حالیہ تاریخ سے جوڑنے کی ایک پکار ہے، تاکہ وہ صرف عہدِ صحابہ ہی پر نہ رک جائیں، باوجود اس کے کہ اس کا مرتبہ نہایت بلند ہے، بلکہ وہ یہ ادراک کریں کہ اس امت کے پاس جدید دور میں ایک ایسی

ریاست کا تجربہ موجود ہے جس نے چھ صدیوں تک حکومت کی، جس کی فوجیں یورپ کے قلب تک پہنچیں، اور جو ایک ایسی عالمی طاقت تھی جس کا رعب و دبدبہ پوری دنیا پر طاری تھا۔ خلافت کا ضیاع اس لیے نہیں ہوا تھا کہ اسلام (نعوذ باللہ) عاجز تھا، بلکہ اس لیے ہوا کیونکہ مسلمانوں نے کوتاہی کی اور وہ صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے۔

اس کے اسباق واضح اور دوٹوک ہیں: زمین پر اقتدار و تمکین محض نعروں سے نہیں بلکہ اطاعت اور عدل سے مشروط ہے، اور دشمن طویل مدت تک منصوبے بناتے ہیں، لہٰذا ان کا مقابلہ محض جذباتی ردِ عمل سے نہیں کیا جا سکتا۔

امت کی وحدت ہی اس کی قوت کا اصل سرچشمہ ہے، اسی لیے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔ خلافت وہ سیاسی ڈھانچہ ہے جو دین کی حفاظت کرتا ہے اور دنیا کے معاملات کو درست رکھتا ہے۔ ثبات و استقامت کے لیے محض خطیبانہ گفتگو اور زینت کافی نہیں بلکہ تربیت، نظریاتی شعور اور سیاسی بیداری ناگزیر شرط ہے۔ عزت صرف اور صرف اسلام میں ہے، کفر کے نظاموں کو درآمد کرنے میں نہیں، چاہے وہ آزادی اور ترقی کے کتنے ہی رنگین نام کیوں نہ اوڑھ لیں۔

سیکولر ترکی نے ان تمام وعدوں کو آزما کر دیکھ لیا ہے جن کے خواب آج امت کو دکھائے جا رہے ہیں: یعنی دین کو ریاست سے الگ کرنا، اپنی پہچان بدلنا اور شریعت کے خلاف جنگ کرنا... لیکن اسے نہ تو عزت ملی، نہ ہی اسے یورپی معاشرے میں قبول کیا گیا، اور نہ ہی وہ کوئی متبادل عظمت پیدا کر سکا، بلکہ اس نے اپنی پرانی شان و شوکت بھی کھو دی اور وہ دو دنیاوں کے درمیان معلق ہو کر رہ گیا۔

چنانچہ آج پوری امتِ مسلمہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خلافت کے کھنڈرات پر آنسو نہ بہائے، بلکہ اس کے انہدام کی یاد کو شعور میں بدلے، اس شعور کو پختہ عزم میں ڈھالے، اور ان دونوں کو ایک اصولی سیاسی و اجتماعی عمل تک لے جائے، یہاں تک کہ خلافت کی واپسی محض ایک موسمی یا وقتی نعرہ نہیں بلکہ عوام کا مستقل مطالبہ بن جائے۔ اس طرح ایک مسلمان اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور خود کو بری الذمہ کر سکے گا، اور یہ صرف باتوں سے نہیں بلکہ خلافتِ راشدہ ثانیہ علیٰ منہاج النبوۃ کے ذریعے اسلامی زندگی کے دوبارہ آغاز کے لیے "حزب التحریر" کے ساتھ درست راستے پر چلنے سے ہو گا۔ حزب التحریر وہ رہنما ہے جو اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔